۳۹۰

فاضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً

فلسفہ شہادت

از تالیفات

منشی بے عدیل و فاضل جلیل سید سجاد حسین صاحب مصنف رسالہ دلچسپ مکالمہ و دافع وہم وغیرہ

حسب فرمائش

سید احمد حسین ترمذی ولد سید مہدی حسین ترمذی مہتمم امامیہ کتبخانہ لاہور

مطبوعہ لائل گزٹ پریس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

اما بعد حقیر پُر تقصیر سجاد حسین ابن سید محمد حسین مرحوم و مغفور غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ متوطن بھڑہ سادات ضلع مظفر نگر واقعہ سادات باہرہ عرض پرداز ہے کہ ۲۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو طلبا اسکول رائے بریلی نے اس شکریہ میں کہ اہالیان سر رشتہ تعلیم نے گیارہ محرم تک تعطیل منظور فرمائی و جناب مستطاب معلی القاب میر فدا حسین صاحب وکیل رئیس قصبہ نگرام ضلع نواب گنج کی کوٹھی پر مجلس جناب سید الشہداء علیہ السلام منعقد کی۔ وکیل صاحب موصوف الصدر نے حقیر سے ارشاد فرمایا کہ اس مجلس میں کچھ مضامین متعلق بہ شکریہ گورنمنٹ و اتفاق باہمی و واقعات شہادت نجھ کو بیان کرنے چاہئیں حقیر نے عرض کیا کہ مجھ کو فن ذاکری وغیرہ میں کوئی سلیقہ نہیں دینیات میں کتابیں لکھتا ہوں۔ بالآخر یہ ایں نادانی و بیدانشی محض بپاس خاطر ممدوح الوصف مجلس موصوف میں بطور لکچر ایک مضمون بیان کیا۔ اتفاقات وقت سے حضرات سامعین کو وہ نہایت پسند ہوا۔ اہل سنت و ہنود صاحبان پر بھی اسکا اثر پڑا اور سب نے عنایت فرما کر ہدیہ داد جس کے میں لائق نہ تھا شگفتہ الفاظ میں پیش فرمایا چونکہ اوس مجلس میں غالب تعداد نئے تعلیم یافتہ صاحبوں کی تھی اور حقیر نے شہادت امام حسین علیہ السلام پر فلسفیانہ تقریر کی تھی۔ لہٰذا اکثر حضرات اور بالخصوص جناب میر واجد علی صاحب وکیل رئیس رائے بریلی و میر محمود الحسن صاحب ڈاکٹر رئیس گنگوہ ضلع سہارنپور کی یہ رائے قائم ہوئی کہ اس مضمون کو کچھ اور وسیع کر کے چھاپ دیا جائے تاکہ نئی روشنی والے صاحبوں پر اوسکا اثر پڑے اور حقیقت شہادت اور اوسکے مصالح و مفاد سے آگاہ ہو کر مدام اوسکے اجراء میں کوشاں ہو کر اکتساب ثواب اخروی کریں اور اس عظیم واقعۂ اسلامی کو خفیف نہ سمجھیں بلکہ اسلام کا مایۂ ناز خیال کریں۔ فقیر نے بہ تعمیل ارشاد موصوفین عالم مسافرت میں یہ مضمون ترتیب دیکر فلسفہ شہادت

سے نامزد کیا خدا سے امید ہے کہ بہ طفیل چہاردہ معصوم علیہم السلام یہ چند اوراق ارباب بصیرت کی نگاہ میں بوقعت جگہ پائیں گی اور اوسکے تفضل سے کچھ دور نہیں کہ میرا نامہ عمل جو کہ کثرت سیئات سے سیاہ ہو رہا ہے زرافشاں ورق بنجائے۔ ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ اول شکریہ محسن حقیقی (خدا) و اتفاق باہمی واوس کے فوائد کی حالت بیان کی گئی ہے۔ دوم جناب امام حسین علیہ السلام نے یہ شہادت کیوں گوارا کی تقیہ سے اپنی حفاظت کس لئے نہ کی اون کی شہادت سے نفس اسلام کو کیا فائدہ پہونچا تقیتہً بیعت کرنے میں کیا ضرر دین محمدی کو پہونچتا سوم اہل بیت و اصحاب اون کے کیا رتبہ رکھتے تھے اور بصلہ وفاداری اون کے کیا مدارج ہونے چاہئیں۔ چہارم خود جناب سید الشہدا علیہ السلام کو قبول شہادت سے کیا رتبہ ملا۔ پنجم غیر اسلام والے اس واقعۂ عظیم کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ ششم عام طبائع پر شہادت نے کیا اثر ڈالا۔ حضرات ناظرین سے امید ہے کہ اصلاح اغلاط فرما کر حقیر کو دعاء خیر سے یاد فرمائیں وما توفیق الا باللہ)

امر اول متعلق بہ شکریہ محسن و فواید اتفاق

ہمارے حاکم روحانی شارع علیہ السلام فرماتے ہیں (مَن لَم یَشکُرِ النّاس لَم یَشکُرِ اللہ) یعنی جس نے آدمیوں کا شکریہ ادا نہ کیا وہ خدا کا بھی نہیں کر سکتا۔ اس حدیث مقدس کے مضمون ہدایت مشحون کا مفہوم بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو انسان کے ساتھ اخلاق کریمانہ کا عامل ہوتا ہے وہ چونکہ ظاہری حیثیت کے لباس سے آراستہ ہوتا ہے لہذا عام نگاہیں اوس کو دیکھ سکتی ہیں مگر با اینہمہ بعض طبایع ایسی دنی و خسیس و ناقابل و احسان فراموش ہوتی ہیں کہ کبھی دو خشک لفظوں سے بھی اپنے محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتیں بلکہ انتہائے نااہلیت سے اوس حسن سلوک کے مٹانے دبانے چھپانے میں کوشش کیجاتی ہے جن لوگوں پر احسان کیا جاتا ہے اگر وہ اپنے مربی کی عنایت کا جا بجا تذکرہ کر کے اوس کے بقاء عمر و دولت کی دعاء میں رطب اللسان ہوتے رہیں تو سلوک کرنے والے کے مادۂ احسان میں کس قدر ترقی ہو اور ایک صاحب احتیاج کی شکر گذاری کتنی خلائق کے لئے فائدہ پہونچانے کے لئے مواد بہم پہونچا سکتی ہے۔ پس جو آدمی ظاہر فائدہ رساں کا شکر گذار نہ ہو وہ اوس محسن حقیقی کے تفضلات کا

کیا دقار کر سکتا ہے جس کے علمیات کا کوئی آنکھ مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ ہمبرین بنا لازم آیا کہ جو لوگ ہمارے ساتھ کسی قسم کا سلوک کریں یا کہ بحالت درماندگی ہمارے ہمدرد نہیں یا کہ ہماری جائز ضرورتوں کے پورا کرنے پر توجہ مبذول فرمائیں۔ ہم اون کی توجہات کی دل سے قدر کریں۔ جب ہم ایسا کرنے کے خوگر ہوں گے تو مفضل حقیقی کے تفضلات کا شکریہ ادا کرنے پر ہم کو عقل روشن رہنموئی کرے گی۔ یہ حدیث ہمارے لئے ادائے شکریہ کا ایک عمدہ سبق دینے والی ہے اگر ہم اس کے خلاف کریں تو سمجھ لینا چاہئے کہ میدانِ دنیا ہمارے لئے ایسا ہے کہ جیسا بہائم کے لئے چراگاہ۔ کھایا پیا اور دُم اُٹھا کر چل دیئے علی ہذا سلطنتِ موجودہ کے جو ہم پر احسانات ہیں اگر اون کو بطور ایک فہرست کے مرتب کرنا چاہیں تب بھی کوئی قلم طاقت نہیں رکھتا کہ پورے طور پر اوس کا احاطہ کر سکے گورنمنٹ کی اون عنایات کا تذکرہ جو کہ وقتاً فوقتاً ہمارے حال پر ہوتی رہتی ہیں صرف خالی خولی دو خشک لفظوں پر محدود نہیں بلکہ اصل خیر طلبی یہ ہے کہ برطانیہ کے دشمنوں کو ہم اپنا دشمن سمجھیں مدام ایسے ذرایع اور وسائل کی بہم رسانی میں کوشاں رہیں کہ جس کو بدخواہ دولت پائیں بوجہ معاشرت ملکی یا وردقومی اوسکا کچھ پاس و لحاظ نہ کریں اور جس طرح سلطنت اوس وجود نامسعود کے معدوم کرنے میں تدابیر کرے اوس سے بالاتر ہم فدویانہ وفاداری کا عملی طور پر ثبوت دکھلائیں۔ دیکھو جو سلطنت کسی کے امور مذہبی کے روکنے میں دست اندازی نہیں کرتی وہ کیسی پیاری نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ ہمارے سرپرچن کو خدا نے حکمران کیا ہے اونکا مستحکم اصول یہ ہے کہ کسی فرقہ کی آزادی کو بجا آوری رسوماتِ مذہبی میں سلب نہ کیا جائے۔ ہر شخص جائز طریقہ سے اپنے مراسم مذہبی کے پورا کرنے پر منجانب سلطنت فرمانِ آزادی پائے ہوئے ہے مناسب موقعہ سمجھ کر عرض کرتا ہوں کہ حضور پر نور نواب گورنر جنرل بہادر دام اللہ اقبالہ کا ۱۲ جنوری ۱۹۱۱ء کو اجلاسِ کونسل ہونیوالا تھا۔ مگر چونکہ اتفاقات سے وہ ایام محرم تھے۔ لہذا محتشم الیہ نے بایں خیال کہ اون دنوں میں مسلمانوں کی شرکت نامناسب ہے۔ کیونکہ وہ ایک بے عدیل و نظیر مظلوم کی ماتم داری میں چاک گریبان رہتے ہیں اجلاس موصوف ملتوی فرما دیا ایسے بامروت و حق شناس حاکم کی شکرگذاری میں جس نے رعایا کی ضرورت مذہبی پر نظر فرما کر خسروانہ کرم گستری فرمائی مسلمان

جو کچھ بھی مادۂ خیر خواہی کو ترقی دیں تھوڑا ہے اسی قسم کی مہربانیوں نے صوبۂ بہار کے مسلمانوں کو جرأت دلائی کہ ہائی کورٹ کلکتہ کے چیف جسٹس اور نواب لفٹننٹ گورنر بہادر بنگال کیخدمت میں عرضداشت بھیجیں کہ گیارہ محرم کو جو افتتاح دفاتر ہوتا ہے وہ اسلامی جماعت کیلئے تکلیف دہ ہے کیونکہ جو لوگ منازل دور ودراز سے اپنے گھر محرم کرنے جاتے ہیں وہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچ سکتے جس سے ایک نوع کا عسر وحرج لازم آتا ہے امید ہے کہ وہ درخواست انشاء اللہ ضرور عزتِ منظوری حاصل کرے گی شیعہ کانفرنس کی استدعا پر جناب آنریبل چیف کمشنر صاحب نے اجمیر میں چہلم امام کے لئے ایک روز کی تعطیل منظور فرمائی اس ضلع کے طالب علم بھی مستدعی ہوئے کہ گیارہ محرم کی تعطیل دی جائے۔ بحمد اللہ جناب مستطاب میر محمد عابد صاحب وکیل کی اعجاز بھری تحریر کے اثر سے اوس نے بھی درجۂ اجابت حاصل کیا۔ اون سب سے بالاتر حضور پر نور ہز مجسٹی جارج پنجم دام اللہ ملکہ واقبالہ نے اہلِ اسلام پر پہلا احسان فرمایا کہ جنوری سنہ ۱۲ء میں تاریخ دربار کو بوجہ اتحاد یوم عاشور ملتوی فرمادیا۔ پس ہم کو چاہئے کہ ایسی سلطنت کے دوامی استحکام میں حاضر وغائب کوشش کرتے رہیں اور باہمد گر ایسا متحدانہ عمل رکھیں جس سے ہماری معاشرت میں کوئی خلل پیدا نہ ہو ہندو مسلمان اور مسلمانوں میں جتنے گروہ ہیں ایک دوسرے کی مخالفت گوارا نہ کریں کبھی ایسے حرکات کے مرتکب نہ ہوں جو کہ دوسروں کو اذیت پہونچانیوالی ہوں۔ ہندو صاحب اگر ہم کو اپنی تقریبات مذہبی یا دیگر جلسون میں بولانا چاہیں بے تکلف اپنا ملکی بھائی سمجھ کر اوس میں شریک ہوں اور ایسے عنوان سے شرکت کریں جس میں مخالفت کی بد بو ہرگز نہ ہو۔ علی ہذا سنی وشیعہ اسلامی بھائی ہونے کے فرائض کو ادا کریں۔ ہماری گورنمنٹ چونکہ مخالفت کو اوس نا پسند کرتی ہے آپ کے مخلصانہ برتاؤ سے اوس کو از بس مسرت ہوگی رعایا کے باامن وامان رہنے سے جو حکام کو سرور ہوگا اوسکا اندازہ آپ خود کرسکتے ہیں کہ جن مواقع پر احتمال فساد ہوتا ہے وہاں عمال کو کیا کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے مسلمان صاحب جب اپنے ناجائز جوش کو روک لینگے حکام کو بھی تخفیفِ تصدیعہ ہوجائے گی۔ جب ہم ایسا کریں گے ہمارا بادشاہ حقیقی کس درجہ رضامند ہوگا۔ کیونکہ اوسکا ارشاد ہے (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ) خدا فساد کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جن لوگوں کو

منجانب قدرت باثر آواز مرمت ہوئی ہے وہ کوشش اتحاد میں فوری کامیابی کو پیش نظر نہ فرمائیں بلکہ تدریجاً اوس کے مؤثر ہونے کی توقع رکھیں۔ نیک کام میں منجانب قدرت قوت قبول پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے نبی صلعم کو حکم باری ہوا فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ اے حبیب تم نیک باتیں وقتاً فوقتاً لوگوں کو تبلاتے رہو ہم نے تم کو اسواسطے بھیجا ہے کہ مواعظ حسنہ سے سرکشوں کو کھینچ کھانچکر جادۂ اطاعت پر لاؤ۔ سختی نہ کرو۔ پس ہم کو لازم ہے کہ مدام ایسی باتوں کے کوشاں رہیں جن سے اوٹھتے ہوئے مفاسد کے بگولہ سر بصحرائے پریشانی ہو جائیں۔ چونکہ تمہید کلام میں ارباب احسان کو نیک بدلہ دینے کی تحریص کی گئی ہے۔ لہذا میں ایک اور محسنِ قوم کا ذکر کرتا ہوں جس نے اپنے خوان اسلامی کا فلاح عاقبت مدنظر کرکے وہ دادِ احسان دی کہ جس کی نظیر میں دنیا کی کتبِ تواریخ سوائے خاموشی کچھ جواب نہیں دے سکتیں۔ وہ محسن قوم ایک وطن آوارہ بے یار و یاور بھوکا پیاسا مسلمانوں کے نبیؐ کا نواسہ حسینؑ مظلوم ہے۔

امر دوم امام حسین علیہ السّلام نے یہ شہادت کیوں گوارا کی تقیہ سے اپنی جان کیوں نہ بچالی اونکی شہادت سے اسلام کو کیا فائدہ پہونچا۔ تقیتاً بیعت کرنے میں دین محمدیؐ کو کیا ضرر پہونچا۔

حضرت نے محض بغرضِ حفاظتِ دین کربلا کے بلاخیز میدان میں وہ نابرداشت سختی اپنے نفس پر گوارا کی جو کہ نوع انسان سے آج تک کسی نے نہیں کی۔ بعض طبایع کو اسباب کی کنہ سمجھنے میں پیچیدگی لاحق ہوتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے کیا نفع ہوا اور ایسی سخت و ناگوار تکلیف اونھوں نے کیوں گوارا کی لہذا بہ نظر اختصار اوسکی

حقیقت پر مطلع کیا جاتا ہے۔ بعد انتقال سرورِ عالم دفعتہً زمانہ نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ خاندانِ نبوت سی بالکل برگشتہ ہو گیا۔ یکایک نبیؐ کے گھر سے حکومتِ اسلام نکل کر دوسری شاخ میں چلی گئی۔ اہل بیتِ نبوی حاکم سے محکوم اور متبوع سے تابع بنگئے۔ عام رعایا میں داخل ہو کر معمولی نگاہوں بلکہ اوس سے بھی پست تر نظروں سے دیکھے جانے لگے مدتہائے متمادی تک کس مپرسی کی حالت میں رہے۔ خاندان رسالت کو گوشہ نشین ہوئے عرصۂ کثیر گذر چکا تھا رفتار زمانہ یہ ہی ہے کہ سب اہلِ حکومت کا دم بھرنے لگتے ہیں بہ ایں وجہ اون کا اقتدار نظر خلایق سے گر گیا تھا۔ اہل بیتِ نبوی کے فضائل ومناقب قلوبِ خلایق سے مٹ کر ایسے دب دیا گئے تھے کہ جیسے سیاہ آندھی تجلیاتِ آفتاب کو روک دیتی ہے۔ پچھلی حکومتوں کے مخالفانہ اثر نے یہ رنگ پیدا کر دیا تھا کہ علانیہ ممبروں پر بیٹھ کر حضرات اہلِ اسلام جناب امیر کو اتہاماتِ بیجا اور الفاظ بد و نالایق سے یاد کرتے تھے۔ یہ ایسے تاریخی واقعات ہیں جن کے پوشیدہ کرنے پر کسی کو قدرت نہیں۔ جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس بیجا حرکت سے روکنے کیلئے امام نسائی نے فضایلِ حضرت امیر میں ایک کتاب مرتب کر کے مسجد دمشق میں سنائی جو لوگ گالیاں دینے کے خوگر تھے وہ تعریفی جملوں کا سُننا کب روا رکھتے تھے۔ اپنے امام کو مسلمان صاحبوں نے اتنا مارا کہ بالآخر مر گیا۔ حکّام کی کوشش سے اہلبیت نبوی کے نام بھی لوگوں کو صحت یاد نہ تھے۔ عام طور پر لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نبی و علی و فاطمہ باخود ہا کیا رشتہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اوس زمانہ کی ایک حکایت مسعودی نے کتاب مروج الذہب میں بہ ایں مضمون لکھی ہے کہ ایک بوڑھے شامی سے پوچھا گیا کہ بڑے میاں یہ ابوتراب کون شخص تھا جس کو ہم بحکم حاکم برا کہا کرتے ہیں اوس نے جواب دیا کہ بھئی ہم کو تو یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ شخص لوگوں کے اونٹ چرا کر لے جایا کرتا تھا بڑا بھاری قزاق تھا اسی طرح ایک صحبت میں نبی کے گھرانہ کا ذکر آیا رشتہ ناطہ بتلانے میں باہم گر اختلاف تھا ایک کچھ کہتا تھا دوسرے کو اوس سے انکار تھا۔ اتفاقیہ ایک مرد پیر بھی لٹھیا ٹیکتے ہوئے شریک جلسہ ہوئے لوگوں نے پورانا آدمی دیکھ کر بجائے خود یقین کیا کہ یہ زمانہ کی زندہ تاریخ ہے اب صحیح بات کا پتہ چل جائیگا سبھوں نے استفاذتاً دریافت کیا بڑے جی آپ علی کو بھی جانتے ہیں جواب دیا کہ خوب واقف ہوں وہ علی جو فاطمہ

کے باپ تھے یاران جلسہ نے کہا کون فاطمہ کہا رسول اللہ کی زوجہ عایشہ کی بہن امیر معاویہ
کی بیٹی خیرہ زمانہ تو بوجہ جبر سلاطین اندھیر کا تھا۔ اب زمانہ روشنی میں کسی شمس بازغہ پڑھنے
والے سے پوچھیئے پنجتنِ پاک دوازدہ امام چہاردہ معصوم کے نام بصحت نہ بتلا سکیگا۔ الحاصل
جبکہ مسلمانوں کے سر پر ایسی سیاہ بادلوں والی گھنگھور جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور
عام اہلِ اسلام بچہ بازی و زنا کاری و شراب خواری و قمار بازی کو اپنا شعار کئے ہوئے تھے
بیٹی بہن سے ہمکنار ہونا کوئی عیب نہ جانتے تھے۔ بلکہ ہر نا کردنی کو فخریہ کرتے تھے اوسوقت
نقلِ حکومت ہوتے ہوتے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ یزید کی حکومت پر ہوا اوس نے
تختِ خلافت زیر قدم دباتے ہی دیرینہ یادداشتوں پر (جو کہ نبی کا نام ہٹانے کیلئے دفاتر اسلام
میں محفوظ چلی آتی تھیں اور ہر بادشاہ اپنے اپنے قائمقام کو اوس کی ہدایت کرتا رہتا تھا کہ
خبردار ایسا نہ ہو کہ پھر حکومتِ اسلام اصلی خاندان کیطرف عود کر جائے) نظر کر کے پہلا روبکار
یہ ہی لکھا یا کہ حسین ابن علی کی گردن میں طوقِ اطاعت ڈالا جائے (بعیت) حاکمِ مدینہ کو
تاکید ہی لکھا کہ سبط رسول سے مثل سائر الناس فرمانبرداری کے کاغذ پر دستخط کراؤ بصورت
انکار سر و گردن میں جدائی لازم سمجھو۔ حاکمِ مذکور کی استدعاء پر آپنے جوابدیا کہ یہ امر عظیم ہے
فوری اسکا فیصلہ نہیں ہو سکتا آپ ترک و عمل کے لئے مجھ کو غور کرنے کی اجازت دیں حاکمِ
مدینہ فی الجملہ احترامِ خاندانِ نبوت کرتا تھا اوس نے بخلاف رائے مروان حضرت کو عواقبِ
امور پر نظر کرنے کی اجازت دی۔ حضرت کو اس معاملہ میں تردد از بس ہوا مدینہ میں رہنا اور حاکمِ
وقت سے مخالفت کرنا پسند خاطر نہ ہوا ناچار اہل و عیال کو لیکر ترکِ وطن کیا بیت اللہ
شریف کو محلِ امن سمجھ کر مکہ معظمہ میں آئے چند روز قیام کرنے پر صحیح ذرایع سے آپکو معلوم
ہوا کہ حاکم شام کی جانب سے ایسا انتظام ہوا ہے کہ آپ یہیں گرفتار ہو کر قید کیئے جائیں اور
بالآخر قتل ہوں حضرت نے صرف باین خیال کہ مبادا اس ارضِ پاک پر خونریزی سے خدا
کے گھر کی عزت میں دھبہ لگے۔ حج سے ایک روز قبل کوچ کر دیا۔ ہائے کیا نازک
وقت تھا اطرافِ عالم سے لوگ حج کرنے آ رہے ہیں اور نبی کا خاندان خایف و ترساں
وہاں سے جا رہا ہے ایسے عالمِ تشویش میں آپ افتاں و خیزاں ملکِ عراق کو جاتے تھے

راستہ میں لشکر حُرؔ نے جو کہ بحکم یزید آپکا متلاشی تھا گھیر لیا۔ اور حضرت پر دباؤ ڈالا کہ ابنِ زیاد کے پاس چلیں آپ نے انکار کیا اور بعد بحث و مباحثہ حضور اوس زمین پر ثابت قدمی سے پہونچے کہ جہاں سے پھر نہ اوٹھ سکے وہاں کے ورود کی خبر سنکر ابن زیاد نے بسر کردگی ابن سعد لشکرِ گران بھیجا جس نے آپ کو پیام دیا کہ مثل سائر الناس بیعتِ یزید کر کے اوسکا خلیفۂ برحق اور امام الصدق ہونا تسلیم کیجئے جو حکم وہ دیں اوس کی تعمیل کا الفرض سمجھئے راہ اختلاف پر گاہے قدم زن نہ ہوجئے قبل ازیں کہ بیعت کے متعلق جو حضرت کا جواب تھا اوس کو عرض کروں اتنا کہدینا ضروری جانتا ہوں کہ یزید کی بیعت کس عنوان کی تھی اور اوس میں کیا کیا شرائط مبایعین سے کی جاتی تھیں شاہ عبد الحق محدثِ دہلوی رسالہ تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں کہ بیعت کرنے والوں سے اقرار لیا جاتا تھا (یزید چاہے ہم کو مثل غلاموں کے سربازار فروخت کرے یا آزاد رکھے خدا کی عبادت کرنیکا حکم دے یا اوس سے روک دے) وہی محدث لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن زمعہ صحابی نے دستِ ادب باندہ کر عرض کیا کہ امیر المومنین یہ شرائط خلافِ سنتِ رسول و خلفاء راشدین ہیں ان کو بدل دیجئے اور وہی سادہ روش رکھئے جو کہ آنحضرت نے قائم کی ہے لیکن امیر اسلام کب سننے والے تھے غریب کو قتل کرا دیا القصہ حضرت نے ابن سعد کو جوابدیا کہ میں غیر مستحق امامت کو حاکم دین سمجھ کر ہرگز بیعت نکرونگا اوس کے کردار و اطوار ایسے ہیں کہ جن سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے چہ جاکہ میں نبی کا نواسہ ہوکر فاسق کے حاکمِ دین سمجھنے میں رضامندی ظاہر کردں مجھ سے ایسی طمع نہ رکھیئے۔ اس موقع پر وہ لوگ جو کہ خاندانِ رسول کو ملامت کرنے میں عین ایمان جانتے ہیں نداتًا و اعتراضًا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت نے بیعت سے کیوں انکار کیا جان بچانے کیلئے تقیہ کے منجے ہوئے ہتھیار سے کام لیتے حفاظتِ خود اختیاری ہر حال میں جائز رکھی گئی ہے بڑے بڑے جرنیل اور نامی معرکہ پرداز جب فوج مخالف میں گھر جاتے ہیں غنیم کے سامنے ہتھیار رکھ کر حلقۂ اطاعت گلے میں ڈال لیتے ہیں اگر امام حسین بھی فرزانہ کاری پر عامل ہوکر ایسا کرتے تو کوئی حرج نہ تھا بلکہ چند فوائد متصور تھے۔ مدینہ ویران نہ ہوتا۔ اٹھارہ بنی فاطمہ تہ تیغ نہ ہوتے علی اصغر کا گلوئے نازک صدمۂ ناوک نہ اوٹھاتا دروازہ اہلبیت پر آتش افروختہ نہ ہوتی تبرکاتِ خاندانِ

رسالت نہ لٹتا وہ مخدرات عصمت وطہارت جنہوں نے سوائے راہِ خدا کے کسی راستہ میں قدم
نہ اوٹھائے تھے بلوائے عام میں سنجاتیں سید الساجدین پا برہنہ کانٹوں پر نچلائے جاتے سادات
فرشِ ماتم پر بیٹھ کر ہمیشہ کیلئے صرف گریہ وزاری نہ ہوتے حضرت نے دیدہ ودانستہ اپنے آپکو ہلاکت
میں ڈالا جس کی خدا نے قرآنِ پاک میں صریح ممانعت فرمائی ہے ایسا کام تو کوئی نادان بھی
نہیں کرسکتا بظاہر یہ اعتراضات ایسے ہیں کہ جن کو دیکھ کر خفیف الرائے لوگ بہک جاتے ہیں
لہٰذا اس کی حقیقت پر مطلع کرتا ہوں۔ دانشمندی سے غور کرنا چاہیئے کہ جناب نے اپنے نفس قدس
کو ہلاکت میں نہیں ڈالا نہ آپ کسی پر چڑھ کر گئے نہ داعیہ ملک گیری تھا یزید کے بیجا دباو سے
تنگ آکر آپ نے اون کوفیوں کی پناہ لینی چاہی تھی جو کہ وادئ ضلالت میں گم کردہ راہ ہو کر
آپ سے ہدایت طلب ہوئی تھی۔ چونکہ ہادی پر ہدایت طلب کو راہِ صحیح بتلانا فرضِ عین ہے۔
لہٰذا آپ بلا خیال و پرخاش احدے بہ نیت قیام معہ بال بچوں کے کوفہ کو گوشۂ امن سمجھ کر راہیئے
عراق ہوئے۔ ابھی تک وہاں پہونچنے بھی نہ پائے تھے آپ کو معلوم ہوا کہ کوفیوں نے اون کے
ایلچی کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابنِ زیاد کی جابرانہ دھمکی سے ڈگمگائے بادیہ بیوفائی ہو گئے آپ نے
اپنے بچاؤ کے وسائل کی بہمرسانی میں دقیقۂ از دقایق فروگذاشت نہیں کیا۔ عمرسعد سے جبکہ
اوس نے بیعت طلب کی کہلا بھیجا کہ مجھ کو حراست میں لئے ہوئے یزید کے پاس چلے چلو دربابِ
بیعت ہم خود اوس سے گفتگو کرلیں گے تو پھر مجھ کو کوئی عذر نہ ہوگا پسر سعد نے ایک بات نہ پذیرانہ
کی یہ ہی کہتا رہا کہ آپ اطاعتِ خلیفہ کا گلو بند گردن میں ڈال کر مدینہ لوٹ جائیں وہاں
بہ آرام بسر کریں خیر خواہ دولت ہو کر بدام مراحم خسروانہ کے متوقع رہیں حضرت کا جواب تھا کہ
تمام کنبہ کا تباہ و برباد ہونا میرے نزدیک فاسق کی بیعت سے آسان تر ہے جان جائے گھر لٹے
عورات اسیر ہوں میرے باپ کی نسل مٹ جائے جن شیرخوار بچوں کو ساتھ لایا ہوں یہ سب
ہلاک ہو جائیں۔ مگر میں تو وہ ہی فعل اختیار کرونگا جس کی ہدایت مجھ کو نانا کر گئے ہیں
دینِ خدا کی امداد میں میرے جدِ پاک نے ہزارہا طرح کی صعب و سخت مصیبتیں اوٹھائیں
دندانِ مبارک نذر باری گئے میرے باپ کی ڈاڑھی سر کے خون سے خضاب ہوئی بھائی
حسن نے جگر کے ٹکڑے پیش کئے اگر حسین بھی اپنے بزرگوں کی تاسی و پیروی میں سر دیگا

تو کون بڑی کائنات ہے برائے خدا مجھ پر رحم کرو میرے خون میں شریک نہ ہو تم لوگ میرے
نانا کا کلمہ پڑھتے ہو مجھ کو صدمہ ہوتا ہے کہ اتنا بڑا گروہ مسلمانوں کا میرے قتل میں ماخوذ ہو کر
جہنم میں جائے۔ اگر تم کو مجھ سے کھٹکا ہے کہ عرب میں رہ کر کوئی فتنہ و فساد برپا کر کے یزید
کی سلطنت میں خلل انداز ہوں گا۔ تو تم لوگ مجھ کو حدود عرب سے نکالدو میں نے گھر و سب
چھوڑا۔ اگر حج بیت اللہ یا زیارت رسول اللہ کو بھی اس ملک میں آؤں گنہگار۔ ملک ہند
میں غیر لوگوں کی رعیت بنکر اپنی اوقات بسر کرونگا۔ چونکہ اکثر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ
حضرت نے ہندوستان کو گوشۂ امن سمجھ کر ایسی خواہش کی تھی بدالنست حقیر جناب کا ہند
کی طرف متوجہ ہونا شاید اسوجہ سے ہو کہ یہاں کے آدمی عموماً نرم طبیعت ہوتے ہیں و ہوم
اور وبا کا مادّہ اون میں بالضرور ہوتا ہے۔ سختی کو بالعموم ناپسند کرتے ہیں اگر حضرت ہندوستان
میں آتے تو عجب نہیں کہ اوس زمانہ کے راجہ مہاراجہ یہ سمجھ کر کہ ایک اوتار کا بیٹا اپنے بزرگ
کے سیوکوں سے جو کہ نرے پاپی اور ملکش ہیں تنگ ہو کر ہمارے ملک میں آیا ہے اسکو
پناہ دینی چاہیئے ہندو صاحب حضرت کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے جو کہ ایک خانماں آوارہ
شاہزادے کے ساتھ سلاطین کرتے ہیں۔ دیکھو اوسکا اثر موجود ہے۔ ایام محرم میں بعض ہندو
حضرت کے نام پر کھانا کھلاتے ہیں شربت کی سبیلیں رکھتے ہیں بنظر یمن و برکت اپنے
بچوں کو امام کا فقیر بناتے ہیں اون کے گلے میں شال غرا ڈالتے ہیں اپنے گھروں میں مجالس
برپا کرتے ہیں۔ ریاستوں میں محرم کا خرچ درج بجیٹ ہوتا ہے گوالیار و مہاراجہ ہلکر و بڑودہ
وغیرہ میں جو اخراجات ہوتے ہیں مشہور عالم ہیں الحاصل حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو کسی کے
ملک سے سروکار نہیں اگر ارادہ جنگ ہوتا تو عورتوں اور چھوٹے بچوں کو کیوں ساتھ لاتا
کیا کبھی ملکی لڑائی پر کوئی اس حیثیت سے گیا ہے جیسا کہ مجھ کو دیکھ رہے ہو۔ مگر ناانصاف
لوگوں میں آدمی کون تھا جو خدا سے ڈر کر عقل کو کام میں لاتا برابر یہ ہی کہتے رہے کہ نہ
آپ شام جاسکتے ہیں نہ عرب سے باہر جانیکا اجازت نامہ پاسکتے ہیں تاوقتیکہ بیعت نہ
کرو۔ اپنے آپ کو محصور لشکر سمجھو۔ اہل عقل کو غور فرمانا چاہیئے کہ بیعت یزید کے نہ کرنے میں
کوئی بھاری مصلحت تھی ورنہ دیوانہ آدمی بھی ایسے نازک وقت میں اپنی ذات اور خصوص

بچوں اور عورتوں کی جان بچانے میں کوشش کو حد غایت پر پہونچاتا ہے۔ ہر آدمی کی عادت میں خواہ وہ شریف ہو یا رذیل فطرتاً یہ بات داخل ہے۔ بلکہ اس خصلت میں حیوان بھی انسانوں کے ساتھ شریک ہیں کہ حفاظتِ خود اختیاری کے پورا کرنے میں کوتاہی نہیں کی جاتی۔ یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ بچوں اور عورتوں کی موجودگی میں اپنی جان کا لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ اون کی نگہداشت میں انسان اپنی ذات کو سپر بنا دیتا ہے خود بلا کا سامنا کرتا ہے اور اون کو بچاتا ہے۔ یہ کیا معاملہ تھا کہ حضرت نے نہ بچوں کی پروا کی نہ اون ماہ سیما جوانوں کی جن کو محض اپنی دلبستگی اور وحشتِ سفر دور کرنے کیلئے بصد اہتمام و حفاظت مدینہ سے لائے تھے۔ سب کو خیرباد کہہ کر دفعتہً مرنے پر مضبوط کمر باندھ لی اور تمام ہمراہیوں اور خویش و بیگانوں کو ہدایت کی کہ مجھ کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ جس شخص کو داعیہ ملک گیری ہوتا ہے وہ بقدر امکان سواد لشکر کو ترقی دیتا ہے یا کہ تھوڑے بہت موجودہ آدمیوں کو رخصت کرتا ہے حضرت دیکھ رہے تھے کہ ہم معدودے چند ہیں اور گروہ مخالف ہزار در ہزار ضرور ہے کہ ہم قتل ہوں اور ہماری عورتیں دشمنوں کے قبضہ میں آئیں۔ پھر آپ نے اون فاطمہ زادیوں کا جن کی نگہبانی فرض تھی تباہ و اسیر ہونا کیونکر گوارا کرلیا۔ ہماری عقلیں چونکہ ناقص و کوتاہ ہیں فرزند رسول کے اصلی مصالح کا ادراک نہیں کرسکتیں کہ باوصف اعقل الناس ہونے کے کیوں ایسی بات کا تہیہ کیا۔ جس کو کوئی دانشمند نہیں کرسکتا۔ قوت عقلی جہاں تک مدد دے سکتی ہے یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت نے محض اپنے نانا کے دین کی روک تھام میں اپنی ذات پر وہ جبر اوٹھایا کہ جس کے سننے کا کوئی قلب تحمل نہیں کرسکتا۔ اگر حضرت صرف بخوفِ جان و تحفظِ عیال و اطفال بیعتِ یزید حسب شرائطِ متذکرہ کرلیتے تو مسلمانوں میں ہمیشہ کیلئے سنتِ یزید قائم ہوجاتی۔ مسلمان جائز سمجھ کر علانیہ شراب پیتے۔ زنا محصنہ و لواطت کے مرتکب ہوتے ہر ناکردنی کو عمل میں لاتے۔ عبادتِ خدا سے دست کش ہوجاتے اور اپنی تصویب افعال میں امام کی بیعت کو سند اپیش کرتے کہ اگر یزید کے احکام ناجائز تھے تو نبی زادہ نے جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا تھا اوس کو امام مفترض الطاعۃ کیوں تسلیم کیا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ آنحضرت کی تمام محنت برباد ہوکر جہاز اسلام ایسا ٹکڑے ہوتا کہ کسی تختہ کا پتہ نہ لگتا بعثتِ نبوی سے

جو منشاء باری تھی پوری نہ ہوتی ملکِ اسلام درندوں کا جنگل ہو جاتا اسی واسطے کسی مداح نے کہا ہے۔ **بیت**

تباہی میں سفینہ آپکا تھا امت جد کا ۔ یہ کشتی بحرِ خون میں ڈوبکر شہ نے نکالی ہے

خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں **رباعی**

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین ۔ دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین
سر داد و نداد دست در دستِ یزید ۔ حقا کہ بناء لا الہ ہست حسین

معاذ اللہ پناہ بخدا اگر امام بیعتِ یزید کرکے چند روز اور دنیا میں رہ لیتے تو دینِ نبوی صلعم ڈوب جاتا ایک شخص بھی ناجی نہ ہوتا سب سنتِ یزید پر عامل ہو کر سوختۂ جہنم بنجاتے۔ ملاحظہ ہو کہ سوائے قتلِ حسین یزید نے مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوائے چند ہزار آدمی مدینہ کے تلوار کے گھاٹ اتارے لشکر یزید نے زبردستی مہاجر و انصار کی لڑکیوں سے زنا کیا جن سے ایک ہزار بچے پیدا ہوئے۔ باایںہمہ مسلمانوں کی نظر میں اوسکی اتنی عزت ہے کہ علمائے کاملین نے بموجب حدیثِ نبوی جس میں بارہ خلفاء کی بشارت ہے اوسکو چھٹے درجہ کا خلیفہ مان کر پشت پناہ اسلام تسلیم کیا ہے بعض معززین علماء نے جملہ مومنین کے ساتھ دعاء مغفرت میں شامل کر لیا ہے اور دریبولا مرزا حیرت اور ان کی امت حضرتِ یزید و رحمت اللہ علیہ کہہ کہہ کر جامہ میں نہیں سماتے۔ ایسے ممدوحِ عالم کے لئے بیعتِ حسین اور بھی سونے میں سہاگہ ہو جاتی نہ معلوم اس بیعت کی وجہ سے جو کہ اضطراری ہوتی مریدانِ یزید کس آسمانِ وقار پر اوس کی کرسی بچھاتے۔ مگر وہ بحمد اللہ وہ تہتروان فرقہ جس کے ناجی ہونے کی خبر آنحضرت نے دی ہے اور جو کہ باتفاقِ اہلِ اسلام لُبِّ لباب اسلام و عطرِ ایمان کہا جاتا ہے اسی عقیدہ کا پابند ہو گیا اور رہیگا کہ ہر امام حافظِ شریعت ہے اپنے اپنے اوقات میں جس نے جو فعل کیا حفاظتِ دینِ نبوی اوس میں تھی حضرت امیر کے بعد آنحضرت پچیس سال تک گوشہ نشینی امام حسن علیہ السلام کی امیر معاویہ سے مصالحت امام سوم کی شہادت سب بربناء حفظ دینِ نبوی تھی۔ خاندانِ رسالت شریکِ امرِ نبوت سے مسند امام احمد بن حنبل و تفسیر نیشاپوری و خواص الائمۃ سبط ابن جوزی میں مرقوم ہے اِعن اسماء بنتِ عمیس سمعت النبی صلعم یدعو اللہ واقول اللھم انی یقول کما قال اخی موسیٰ اجعل

لی وزیراً من اھلی علیاً اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیراً ونذکرک کثیراً انک کنت بنا بصیراً) اسماء بنت عمیس کہتی ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کو اللہ سے دعاء مانگتے ہوئے سنا کہ آپ کہتے تھے کہ بارخدایا میں کہتا ہوں جس طرح کہ میرے بھائی موسیٰ نے کہا تھا کہ میرے واسطے میرے اہلبیت میں ایک وزیر مقرر کر کہ وہ علی ہے اوس سے میری کمر کو قوی کردے اور اس کو میرے کام میں شریک کر تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تیری یاد میں رہیں تحقیق کہ تو ہم کو دیکھنے والا ہے امام فخرالدین رازی نے بھی بذیل تفسیر (انما ولیکم اللہ) تفسیر کبیر مطبوعہ مصر کے صفحہ (۶۸۱) پر حسب بالا تحریر فرمایا ہے علامہ ابن روز بہان لکھتے ہیں (استوی الاسلام بسیف علی) یعنی تمام پستی وبلندی کو دور کرکے علی کی تلوار نے سطح اسلام کو برابر کردیا۔ مطلب یہ کہ تمام سرکشان عرب کو تہ تیغ کرکے زمین عرب کو نفوس مشرکین سے صاف کردیا۔ اس بزرگ خاندان کا امر رسالت میں معین وشریک آنحضرت ہونا سوائے تائیدات بالا ایک صریحی اور بدیہی بات ہے جو کہ مشاہدہ اہل اسلام میں آچکی ہے اور جس پر کسی کو اختلاف نہیں قضیہ مباہلہ ہے جو کہ اہل نجران سے معرض وقوع میں آیا تھا۔ تصدیق رسالت کیوقت یہی حضرات جناب امیر وفاطمہ وحسین علیہم السلام میدان بدعاء میں آنحضرت کے ساتھ تھے۔ پس اے ناظرین آپکو سچا اسلام بتاتا ہے کہ (ھَلْ جَزَاءُ الاِحْسَانِ اِلَّا الاِحْسَانِ) یعنی نیکی کا ثمرہ اور بدلہ بھی نیکی ہے۔ چونکہ آل نبی نے غایت کرم واحسان سے اپنے نفوس قدسیہ پر جبر گوارا کرکے تم کو سیدھا رستہ دکھلادیا اور خس وخاشاک کو جو کہ راہ اسلام میں خار دامن ہونیوالے تھے صاف کردیا لہذا آپ کو بھی لازم ہے کہ خالص دینداری سے بلا جنبہ احدے اونکا شکریہ ادا کرو وامور ملت میں ان کو پیشوا سمجھو۔ شاہ صاحب تحفہ میں بحوالہ مشکوۃ شریف لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ بعد میرے اگر علی کی متابعت کروگے تو وہ تم کو ہدایت کا پختہ راستہ بتلاکر سیدھا جنت میں پہونچاویگا۔ وہ شکریہ جس کا ادا کرنا تم پر واجب ہے یہ ہے نہیں کہ محض زبانی کہو کہ وہ تو ہمارے پیشوا ہیں اونکا دامن حمت ہم کو آفتاب محشر کی تابش سے بچائے گا۔ بلکہ ون اخلاق حسنہ کی پیروی کرو جن کی وہنوں نے تعلیم وہدایت فرمائی ہے دفاتر اسلام میں تلاش کرو کہ انکے احکام کہاں ہیں جو طریقہ

کہ عبادتِ خدا اور معاشرت کے اونہوں نے بتلائے ہیں اوس پر عامل ہو۔ اون کے ایام سرور میں مسرور رہو اور اوقاتِ غم میں مغموم ہو جن دُنیا طلب لوگوں نے اون سے مخالفت کر کے راہ خلاف اختیار کی ہے۔ اون سے تنفر کرو جس بزرگِ ملت نے راہِ اسلام سے کنکر پتھر کانٹے اوٹھا کر آپ کے لئے ایک پختہ سڑک قائم کر دی اوس کی یادگار مدام قائم رکھو اور کوشش کرتے رہو کہ اوس کے استحکام میں تزلزل نہ ہو کیونکہ دریںولا ایک جماعتِ اہلِ اسلام سخت کوشش کر رہی ہے کہ یہ یادگار صفحۂ عالم سے مٹ جائے۔ امام علیہ السّلام نے اپنے چھوٹے اور ناز پرورده بچے محض تمہاری رستگاری کے لئے نذرِ خدا کر دیئے۔ اون کے غم میں اشک خونین بہاؤ ایک بزرگ فرماتے ہیں

ماتم حضرت شبیر میں جو روتا ہے
اوسکے ہر فرد گنہ آپ خدا دھوتا ہے

اور حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ ہر قطرۂ اشک
مرہم زخم حسین ابن علی ہوتا ہے

کیا آپ گوارا نہ کرینگے کہ حضرت کے اون ۱۹۵۱ زخم جو کہ صرف بدن کے سامنے والے حصہ پر لگے تھے قطراتِ اشک سے مندمل ہو جائیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ جوان بیٹے بھائی بھتیجے کے گہرے گہاؤ جو امام کے دل پر لگے تھے التیام پذیر ہوں تو مرہم اشک سے پھایہ تر کر کے حضرت کے ناسور جگر پر لگایئے اس واقعہ کو کوئی معمولی جنگ یا ملکی تنازعہ نہ سمجھئے جیسا کہ بعض ناواقفینِ رموز شہادت نے خیال کیا ہے۔ بلکہ یہ شہادت آنحضرت کی تصدیقِ نبوت کا ایسا واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ جس کا ابطال دنیا کا کوئی دماغ نہیں کر سکتا۔ غور کیجئے کہ مخالفانِ اسلام ہمارے نبی کو فرستادہ خدا نہیں جانتے۔ بلکہ طرح طرح کے بے جا اعتراضات اون کے نبی برحق ہونے پر وارد کرتے ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ فریب بازی و جعلی کارروائی کرتے ہیں اون کا مقصدِ اقصیٰ اور علّتِ غائی دنیا طلبی ہوتی ہے۔ اپنی جان کو راحت و آرام دیتے ہیں اور دولت کمانے کے وسائل ڈھونڈتے رہتے ہیں اگر معاذ اللہ بقولِ مخالفان ہمارے نبی ایسے ہی تھے تو اون کے نواسے نے کس غرض سے اپنی جان کو نشانۂ تیر آلام کیا۔ کیا یہ بات ممکن ہے کہ کوئی شخص جھوٹی بات کی تائید میں جس کو خود بھی بعلم الیقین غلط باور کرتا ہو اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان

ایسی پیاری چیز کہ جس سے بالاتر کوئی شئے محبوب نہیں تلف کر دیوے اور اپنے ناموس کا تباہ و برباد ہونا گوارا کرے۔ اگر امام حسین علیہ السلام کا تسلیم شہادت کر کے سب باتوں کا تحمل کر لینا کسی سچی بات کی حفاظت و نگہبانی نہ تھی تو پھر اور کیا سمجھا جائے۔ دنیا کا کوئی عقلمند بتلا سکتا ہے کہ سوائے تدابیر بقائے مذہب صحیح اس میں کوئی اور بات مضمر تھی امام حسین علیہ السلام کے رفقاء کی جان سپاری اور بھی یقین دلاتی ہے۔ غور کیجئے کہ وہ بزرگوار قوم و قبیلہ و خویش و اقارب جورو بچے باغات و املاک و مکانات سب ہی کچھ رکھتے تھے اون لوگوں نے اپنے دنیاوی تعیش پر خاک ڈالکر قدم امام پر کیوں جانیں فدا کر دیں سوائے مرجانے اور برباد ہونے کے نتیجہ دنیا سے اون کو کیا ملا۔ انسان چونکہ ضعیف البنیان ہے ذرا سی سختی کا تحمل نہیں ہو سکتا اچھا قوی دل ہجوم شدائد سے چیخ اوٹھتا ہے بڑے بڑے ڈکیت او لٹیرے پولیس کی تدبیروں سے اصلیت ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کربلا والوں کی حالت پر نظر کرو ملک عراق کی وہ سخت گرمی جس کی نظیر وہ خود ہی ہو سکتی ہے۔ صحرائے بے آب و گیاہ میں زیر سایہ آفتاب ویرہ اوس پر چونبیس پہر کی پیاس وطن سے دور بے تعداد مخالفوں کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں لشکر شام سے ان کو پیغام دیا جا رہا ہے کہ اگر اپنے بیکس سردار کا ساتھ چھوڑ کر ہم سے آملو تو سوائے انعام و اکرام مورد مراحم خسروانہ ہو کر مدام لذائذ دنیا سے شاد کام رہو گے۔ لیکن وہ بہادر لوگ اوس کوہ بلا کو پرکاہ کے برابر نہیں سمجھتے زر و جواہر کو جس کی اون کو طمع دلائی جاتی تھی خذف پارہ سے بھی کمتر جانتے ہیں پس ماندگان کی تباہی و ضبطی املاک کا کچھ ہراس نہیں لشکر یزید کی کثرت اور ہر وقت فوجوں کی آمد اون کے ہواس میں مطلق ہراس پیدا نہیں کرتی نہایت استقلال سے اپنے آقا کا دامن پکڑ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم آپکے نانا کو خدا کا سچا نبی جانتے ہیں۔ دنیا کیلئے دین نہ کھوئیں گے امیر شام سوائے فاسق و ناہنجار ہونے کے غیر مستحق خلافت ہے امارت اسلام آپ کی ذات آپکے خاندان کیلئے مخصوص ہے چند روزہ زندگانی یا مال فانی کے لئے عذاب عقبیٰ اختیار نہ کرینگے اس سے ہزار درجہ سختی پر بھی پائے ثبات کو لغزش نہ ہوگی بالآخر وہ پاک بندے لشکر یزید سے ایسا جی توڑ کر لڑے کہ مرتے دم بھی ہاتھوں سے تلوار کے قبضہ نہ چھوٹے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی روشن طبیعت

اِس بات کو تسلیم نہ کریگا کہ یہ لوگ کسی امرِ باطل کی تائید میں آسایشِ دُنیا پر خاک ڈال رہے تھے۔
نہیں چونکہ دینِ حق میں پورا حصہ رکھنے تھے حقوقِ اہلبیت کے عارف تھے۔ لہٰذا ہر شدت و
سختی دین کے مقابلہ میں اون کے نزدیک باغِ ایمان کا خوشبودار پھول تھے ان سے قطع
نظر کرکے حضرت حر کے حالات پر غور کیجئے یہ ذیعزت بزرگ ایک دستۂ فوج کا کمانیر تھا جاہ و
منزلت حکومت و ثروت سب ہی تو حاصل تھا۔ مگر تمام متاع دنیا پر خاک ڈال کر معہ بیٹے اور
بھائی اور غلام کے ترکِ حکومت کرکے مفلس و وطن آوارہ و بھوکے پیاسے کا ساتھی بنگیا عمر
ابنِ سعد نے اوسکو دھمکی دی کہ میں تیرا گھر بار جائداد زمین زراعت سب ضبط کروں گا اوس عارف
باللہ نے جواب دیا کہ حاکمِ شام نافرجام و بد انجام ہے مجھ کو تمام اموال کا تلف ہو جانا یزید کے تحتِ
حکومت رہنے سے آسان تر ہے۔ سوچنا چاہئے کہ وہ کون طمع تھی جو کہ زنجیر گردن ہو کر حر کو کشاں
کشاں اِسطرف لائے تھے گو بظاہر وہ اہلِ ثروت سے تھا۔ مگر اوس کی جیب دولتِ ایمان سے
خالی تھی۔ حضرت کی خدمت میں وہ عاقبت بین صرف اسواسطے آیا تھا کہ اپنا کیسہ نقد ایمان سے
بھر لیوے اوس نے بچشمِ حقیقت بین معلوم کرلیا تھا کہ دینِ محمدی کی جاگیر کا دوامی پٹہ اسے
سررشتہ میں رجسٹری ہوتا ہے جبھی تو اوس نے ایسا عمل کیا جس کی کنہ کا ادراک سوائے
اہلِ ایمان کے کوئی نہیں کرسکتا۔ علاوہ ان سب باتوں کے آنحضرت صلعم کی ایک حدیث پیش
کرتا ہوں جو کہ مسلمۂ اہلِ اسلام ہے اور جس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں وہ یہ کہ حضور پر نور نے
فرمایا ہے کہ (حسینؑ منی وانا من حسین) یعنی حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں
فقرۂ اول کا مطلب صاف اور واضح ہے ہر شخص کا سلسلہ اپنے آباد اجداد سے ہوتا ہے مگر
فقرۂ دوم حل طلب ہے سرورِ عالم نے یہ کیوں فرمایا کہ میں حسین سے ہوں کیا کوئی شخص آج
تک اپنی ذریت سے ہوا ہے۔ حضرت کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ میرا پیارا حسین دینِ حق کی بنیا
کو جو کہ تغیراتِ زمانہ و حوادثِ روزگار سے متزلزل ہو جائے گی ایسا مضبوط کر دیگا کہ پھر تا قیام
قیامت اوس پر کوئی ضرر اثر نہ کریگا۔ دین خدا کا قائم و برقرار رہنا میں بقاءِ ذاتِ نبوی ہے
اگر حسین معرکۂ کربلا میں مافوق العادت بشری کام نہ کرتے تو اقتدار رسالت برباد ہو جاتا
اور پاک اسلام دوسرا لباس پہنکر عام نگاہوں میں بھدا اور بدنما نظر آتا حضرت نے اپنے

نفس اقدس پر محنت شاقہ اوٹھاکر جو سچے طریقہ کی تعلیم دی تھی وہ ھَبَاءً مَنْثُوْرًا ہو جاتی اسلام خونخوار و دنیا طلب لوگوں کی جولان گاہ سمجھا جاتا۔ جو لوگ تقیہ سے جان نہ بچا لینے کا ایراد کرتے ہیں اون کو جاننا چاہئے کہ تقیہ کس محل پر جائز ہے۔ جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحفہ میں لکھتے ہیں کہ تقیہ دراصل مشروع اور ماخوذ از آیۂ قرآن ہے حفاظتِ جان و مال و آبرو کے لئے اوسکا کرنا ضروری ہے اگر صرف جان پر حضرت کی ضرر ہوتا تو بالضرور عامل بہ تقیہ ہوتے مگر یہاں تو دینِ نبوی ڈوبا جاتا تھا۔ مذہب کی بربادی سہل سمجھ کر تقیہ کرنا بالکل ناجائز تھا۔ الحاصل جناب سید الشہدا کی شہادت مفتاح بابِ السلام اور بامِ ایمان کا پہلا زینہ ہے مجالس عزا کی بنیاد محض اسوجہ سے قائم ہوئی ہے کہ طبقاتِ مختلفہ کے لوگ اوس میں جمع ہوں۔ ذاکرین و واعظین آیمہ اہل بیت کے اخلاقِ حسنہ و طرز عبادات و حسنِ معاشرت و فضائل و مصائب کا ذکر کریں۔ لوگ متاثر ہوکر دامن اہل بیت کو آفتاب محشر کا پردہ بنائیں۔ یہ مظلومانہ شہادت منجانب قدرت ایک ہتھنا طبیعی اثر رکھتی ہے اول غیر مذہب والے حالات شہادت کی سماعت سی نرم طبیعت ہوتے ہیں پھر کچھ اوپر نظر اوٹھاتے ہیں خاندانِ نبوت سے حکومتِ اسلام کا نکل جانا شہادت کا سببِ اصلی خیال کرکے آلِ نبی کا مستحق امامت ہونا مان لیتے ہیں اور بالآخر خقدارانِ واجب کو اپنا پیشواء دین قرار دیکر اون کی متابعت کو زادِ عقبےٰ سمجھتے ہیں اگر حضرت بجرم انکار بیعت شہادت نہ پاتے اور بخوفِ جان اطاعتِ یزید قبول کر لیتے تو آنے والی اسلامی نسلیں غرق بحرِ کفر ہو جاتیں۔ مسلمان صاحب عزائے امام کو ہلکی نگاہوں سے نہ دیکھیں بلکہ بڑی عظمت سے اوس پر نظر کریں۔ کیونکہ یہ شہادتِ عین رسول مقبول کی شہادت ہے او سکے مٹانے اور بند کرنے میں کوشش نہ کریں دیکھو جناب مولوی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی سرّ الشہادتین میں تحریر فرماتے ہیں کہ شہادتِ حسین ہمارے نبی کی شہادت ہے عالم موصوف وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی افضل الانبیاء تھے جملہ انبیا کو جو جو کمالات فرداً فرداً اعطا ہوئے تھے وہ سب حضرت کی ذات میں مجموعاً ودیعت کئے گئے تھے صرف شرفِ شہادت باقی تھا۔ اگر حضرت معرکۂ قتال میں شہید ہو جاتے تو چونکہ سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا تھا اب

کی شہادت سے شیرازۂ اسلام ٹوٹ جاتا۔ لہذا منظور باری ہؤا کہ حضور کے کمالات میں بھی کمی واقع نہ ہو اور درجہ رفیعہ شہادت پر بھی فائز ہو جائیں۔ حسنین علیہم السلام چونکہ آپکے جزوِ بدن تھے ایک کو سِرّی (پوشیدہ) اور دوسرے کو جہری (علانیہ) شہادت ہوئی ہر دو شرف مثل قطراتِ بارانِ رحمت مل ملا کر دریائے نبوت میں شامل ہو گئے۔ اس موقع پر ایک اور بات قابلِ نظر ہے۔ شہادت کا شرف تو صاحبزادوں کی وجہ سے مکمل مدارج نبوت ہؤا لیکن بعض انبیاء مثل ادریس والیاس وخضر وعیسیٰ علیہم السلام طولِ حیات کی ذی عزت رتبہ سے بہرہ یاب ہیں ہمارے حضرت کو اس مرتبہ میں بھی حصہ ملنا ضروری ہؤا۔ لہذا خدا نے امام دوازدہم کی وجہ سے یہ عنایت فرمایا جو لوگ کہ امامِ موصوف کو زندہ و موجود نہیں جانتے وہ فردِ مراتب نبوی کو غیر مکمل سمجھتے ہیں۔ شکرِ خدا کا کہ ہمارے حضرت پر کسی دوسرے کا احسان نہ ہؤا سب کمالات اپنے ہی گھر سے ملے۔ اے مسلمانوں یہ بزرگوار اجزائے نبوت ہیں ان کا احترام عینِ ایمان سمجھو یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کو جو سید الشہدا کہا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے اگر یہ کہا جائے کہ بہتّر شہدا کے آپ سردار تھے بایں سبب سید الشہدا کہے گئے یہ بات چنداں قابلِ وقعت نہیں۔ کیونکہ ہر جماعت میں ایک سردار ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت آپ کو جناب سید الساجدین وحضرتِ زینب واُمِ کلثوم ودیگر خواتین محترمہ کی اسیری سے ملی اگر یہ ناگوار حالت جس نے شہادت سے زیادہ مسلمانوں کے جگر میں چھید کیا ہے پیش نہ آتی تو اس شہادت کو یہ وقعت نہ ملتی امام حسین محض ایک شہید کہلاتے۔ سید الشہدا کے ذی عزت خطاب سے ممتاز نہ ہوتے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے بھی کتاب موصوف الصمد میں ظاہر کیا ہے کہ شہید اکبر وہ کہا جائیگا جو کہ وطن سے دور غربت میں مبتلا ہو کر قتل کیا جائے اوسکا اسباب لٹ جائے عورتیں مقید ہو کر سربازار پھرائی جائیں۔ چونکہ جناب امام حسین نے انتخاب روزگار دوستوں بعید ل یگانوں گل اندام بچوں کو حمایت دین خدا میں شہید کرایا تمام اموال واثاث البیت کو لٹوایا عابد کے گلوئے نازک میں طوقِ آہنی ڈلوایا پردہ گیان عصمت وطہارت کی بے روائی ودشت پیمائی گوارا کی تب اون کی شہادت کو اس ثبوتِ عمومی سے یہ عزت ہوئی کہ تا قیامت

اوسکا ذکر اسکا ذکر کرامت کیلئے وظیفہ ہوگیا ان وجوہات سی بالاتر ایک اور وجہ ایسی ہے کہ جس کے اشتمال نے ہزاروں درجہ شہادت کو بلند مرتبہ پر پہونچا دیا وہ اوس چھوٹے بچے کا گلے پر تیر کھانا ہے جو کہ اشاروں سے بھی اپنا درد دل نہ کہہ سکتا تھا سب گھر کے جوان بوڑھوں کے ساتھ یہ صغیر سن بھی پیاسا رہا۔ چونکہ یہ صاحبزادہ دودھ پیتا تھا اور اوسکی ماں کا دودھ صدمات و آلام و رنج و تعب و سفر کی کشاکشی سے خشک ہوگیا تھا۔ لہذا گرمی کی شدت لُو کی حدت سے تیر یا گلا گھٹ جانا اور بھی التہاب کا سبب ہوگیا ایسی صورت میں عموماً بچوں کو پیاس کا مرض ہو جاتا ہے جس کیلئے چھڑکاؤ کئے ہوئے ٹھنڈے مکان سرد ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ کربلا میں پانی کہاں تھا جو زمین نمناک کی جاتی محفوظ مکان بھی رہنے کو نہ تھا جس سے آتش آفتاب کو روک ہوتی کمبل کی چادریں تنی ہوئیں تھیں جو کہ خیمہ کہی جاتی ہیں جن میں دھوپ چھن چھن کر آتی تھی گرم ہوا بدن پھونکے دیتی تھی یہ اسباب اس معصوم بچہ کے لئے اور بھی ترقی عطش کے سبب ہوگئے امام حسین کو اسکی پیاس نے بیتاب کر دیا۔ حالانکہ اور چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں بھی خیمہ میں خالی کوزے لئے مضطربانہ ادھر اودھر دوڑ رہے تھے۔ مگر حضرت نے اون کے لئے پانی نہ مانگا تھا۔ لیکن حسین ایسے غیور کو نادان بچہ کے تڑپنے نے بیچین کر دیا سوال آب کرنے پر مجبور پڑ گئے ورنہ حسین اور طلبِ آب اے معاذ اللہ۔ بالآخر لشکر شام کے سامنے ہاتھوں پر اوٹھا کر میدان میں لائے جہاں تیروں کا مینہ برس رہا تھا اور صرف اتنا کہا کہ اے قوم یہ بچہ تشنگی سے جاں بلب ہے تھوڑا پانی اس کو پلادو۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھ کو اسکے پلانے کے لئے پانی دو۔ نہیں تم اپنے ہاتھ سے اسکو سیراب کر دو جو کچھ اس سوال کا جواب ملا سب کو معلوم ہے اولاد والے خواہ مسلم ہوں یا غیر شاہزادہ علی اصغر کا واقعہ سنکر اُف اُف کر کے دل پکڑ لیتے ہیں۔ حرملہ نے گو کہ بحکم حاکم طمع مال سے اوس کے تیر لگایا تھا مگر معصوم کی نامرادی نے باوصف اینہمہ قساوت اوس کے دل کو بھی پگھلا دیا مونہ پھیر کر رونے لگا۔ قدرت سے کچھ ایسے سامان بہم ہوگئے تھے کہ جن سے شہادت کا پایہ بلند ہوگیا واقعہ میں شاہزادہ علی اصغر کی حالت عجیب حادثہ جانگزا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخوں میں موجود نہیں اکثر آدمی جائز و ناجائز طریقہ سے قتل و غارت ہوئے ہیں مگر ناکردہ گناہ بچہ سوائے امام حسین کے

کسی کا نہیں مارا گیا۔ یہ بات گویا عادتِ انسانی میں داخل ہے کہ بمقابلہ اولاد اکبر چھوٹے بچے سے زیادہ الفت ہوتی ہے سوائے ماں باپ کے سب گھر والوں کا کھلونا ہوتا ہے۔ بہجوم تفکرات میں بھی نادان بچے غم غلط ہو جانیکا سبب بنجاتے ہیں۔ غور کیجئے کہ اگر کسی عورت کا ایسا بچہ جو اشاروں سے بھی اپنا دکھ درد نہ کہہ سکتا ہو ہلاک کر دیا جائے تو اوس کو اپنی آغوش کے خالی ہونے سے کیسا صدمہ ہو گا یہ وہ سخت مقام ہے کہ حیوانات نے فرطِ محبت سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا ہے اہل دانش خیال فرمائیں کہ چھوٹے شہید کی شہادت نے والدین کے قلب پر کیا اثر کیا ہو گا۔ چونکہ تمام گھر میں یہ ہی ایک سامان دلبستگی تھا۔ لہذا سب چاہنے والوں نے اوس کے گلوئے نازک پر تیر کا لگنا سنکر کیسا ماتم کیا ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسین اوس ننھے لاشہ کو میدان سے نہ لائے۔ خیال فرمایئے کہ بہتر لاشہ تو میدان سے لائیں جن میں بعض کڑیل جوان بھی داخل تھے۔ مگر بچہ کو نہ لا سکے۔ اوسکا سبب یہ بھی تھا کہ سب اہلِ حرم اور خصوص مادر علی اصغر سے اپنے ہونہار بچہ کی لاش نہ دیکھی جائے گی شدت الم سے اپنی جان کھو دے گی۔ کسی بی بی سے اوس کے گلوئے نازک میں تیر سہ پہلو نہ دیکھا جائیگا محبت کے درجہ ہوتے ہیں چھوٹے بچوں کی الفت اور عنوان کی ہوتی ہے اور بڑی اولاد کا صدمہ دوسری طرح کی آگ ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں ایسا پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے جیسا کہ عورت شیر خوار بچے کو رویا کرتی ہے۔ حضرت جب اوس کی لاش کو سپرد زمین کر کے آئے ہیں تو فرطِ حجاب سے خیمہ کے اندر نہ جاتے تھے **بیت**

در تلک آکے نہ داخل بحرم ہوتے تھے
خیمہ کی ڈھوڑی پہ گردن کئے خم روتے تھے

تمام اہلِ بیت اور خصوص جناب سید الساجدین کو جو علی اصغر کا صدمہ تھا بیان سے باہر ہے جب آپ سنتے تھے کہ مختار وفادار نے فلاں مردود کو مارا اور فلاں شقی کو آگ میں جلوایا اور اوس لعین کی آنکھوں میں میخ ٹھونکی تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدایا حرملہ کی قتل سے میرے قلبِ صد پارہ کو التیام دے۔ چونکہ چھوٹا بچہ تھا لہذا سید الساجدین اوس کے لئے نیم بسمل تھے۔ بحمد اللہ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ تقیہ کی تعریض کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں حضرت کو شرعاً و عقلاً اوس مقام پر عامل بہ تقیہ ہونا جائز نہ تھا اور اسلام کو اس شہادت سے یہ

فائدہ ملا کہ وہ اپنے اصلی مرکز پر قیام پا گیا بصورتِ بیعت بالکل غارت و برباد ہو جاتا۔

امر سوم امام حسین علیہ السّلام کے رفقا کیسے تھے آیا اونکی مثل و مانند کسی نبی یا وصی کے احباب و انصار کبھی پہلے بھی ہوئے ہیں اور بصلۂ وفاداری اونکے کیا مدارج ہیں

بہ اتفاق جمیع اربابِ مقاتل جناب امام حسین علیہ السّلام نے شبِ عاشور کو اپنے انصار باوفا سے فرمایا کہ جیسے تم میرے رفقاء ہو ایسے سر فروش نہ میرے جدّ نامدار کو ملے اور نہ والدِ بزرگوار نہ برادر عالی مقدار کو امام کے اس ارشادِ ہدایت بنیاد پر وہ حضرات جن کو بوجہ عدم معرفت رتبۂ امامت کلامِ ائمہ کے سمجھنے کی تمیز نہیں اعتراضاً فرمایا کرتے ہیں کہ سید الشہدا نے یہ کیا کلمہ فرمایا کہ باپ بھائی کے جان نثاروں کے ساتھ صحابۂ رسول پر بھی جن کی مدحت و توصیف میں آیاتِ قرآن سراو بھارے ہوئے ہیں اپنے ہمراہیوں کو فوقیت و فضیلت کا تمغہ عنایت فرمایا اہلِ انصاف کو یقین فرمانا چاہیئے کہ جناب خامسِ آلِ عبا کا ارشاد نہایت ہی صحیح و بجا تھا اور جو خلعت کہ آپ نے اپنے صحابہ کو عنایت فرمایا تھا وہ خیاطِ ازل نے توشۂ خانۂ قدرت میں کتر بیونت کر کے سی سلا کر اونہیں کے قدِ زیبا کے لئے ودلیت کیا تھا۔ سوائے کربلا والوں کے وہ اور کسی کے بدن پر ٹھیک اور موزون نہ ہو سکتا تھا۔ رسالتمآب کے صحابہ حسب تصریحِ قرآن تین قسم کے آدمی تھے۔ مومن۔ منافق۔ مولفۃ القلوب۔ علی ہذا ایسے ہی لوگ حضرت امیر و جناب امام حسن علیہم السّلام کے ساتھ تھے۔ مگر جناب امام حسین کے ساتھ جن لوگوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا وہ سب ایک قسم اور ایک صفت کے تھے سب کا دل و دماغ انوارِ معرفتِ الٰہی سے بھرا ہوا تھا۔ آنحضرت نے جو ہنگامِ وفات قرآن و اہل بیت کے حوالہ امت کو کیا تھا تشنگانِ آب فرات اوس حدیثِ نبوی کے معنی و مطالب پر پور العبور کئے ہوئے تھے اُن سب کی غرض مشترک تھی۔ اسیواسطے کسی مداح نے کہا ہے۔ کہ ہر ایک صاحب کے یار دو

میں موافق اور منافق تھے مگر سبطِ نبی کے ساتھ سارے یار صادق تھے۔ عقل خداداد سے کام لیکر ان جملہ حضرات کے باب میں غور و فکر کرنا چاہیئے تاکہ امتیاز بہ آسانی ہوجائے۔ اصحابِ آنحضرت و لشکریانِ حضرت امیر و امام حسن جب لڑنے جاتے تھے تو نانِ گرم اور آب سرد سے سیر ہوتے تھے۔ اور بصورت فتح مالِ غنیمت ملنے کی پوری امید تھی انصار سید الشہداؑ کو بجائے حصولِ غنیمت اپنی متاع حیات کے لٹ جانے کا قطعی یقین تھا اور مزید براں بھوکے پیاسے تھے حضرت امیر کے طرفدار عین موقع جدال پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کھڑے ہوگئے جب اون سے کہا گیا کہ لشکرِ شام سے لڑو تو بگڑ کر کہنے لگے کہ ہم اون لوگوں سے ہرگز جنگ نہ کریں گے جو کہ قرآن نیزوں پر بلند کر کے امان طلب کرتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی مکاری ہے۔ میں کلام اللہ ناطق ہوں اور یہ اوراق خاموش دیے زبان ہیں۔ مگر اون لوگوں نے کہنا نہ مانا اور درپئے قتلِ حضرت ہوگئے علیٰ ہذا امام حسن کے ساتھیوں نے جو کیا پوشیدہ نہیں۔ شاہ صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں کہ اون کے طرفدار اپنے سردار سے مخالفت کر کے دربردہ حاکمِ شام سے سازش رکھتے تھے تھوڑی سی طمع اون کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیتی تھی جی توڑ کر نہ لڑتے تھے چنانچہ ایک مداح فرماتے ہیں۔

علی کے ساتھ صفین و جمل میں تھے بہت یاور
ہر ایک کرتا تھا کوتاہی سوائے مالکِ اشتر

حسن کے یار بھی مل گئے دشمن سے جا جا کر
ہوئے دنیا کے لالچ سے امیر شام کے چاکر

شہ مظلوم کے پر بھوکے پیاسے یار کام آئے
بہت پیغام لیکر مال و زر کا اہل شام آئے

جب آیا شمر بہکانے اونہیں از راہِ کیادی
وہ بہکاتا تھا کرتے تھے ہدایت اوس کو یہ ہادی

کہ اے بندہ ہوا کے حبِ حیدر میں ہی آزادی
محبت چھوڑ دنیا کی نہ کر عترت پہ بیدادی

در جنت میں داخل ہو جہنم سے نکل غافل
وہ کوثر ہے وہ طوبیٰ ہے ذرا آنکھوں کو مل غافل

بعد ازیں اوس طبقۂ اعلیٰ پر نظر ڈالئے جس کا تعلق آنحضرت کے صحابہ سے ہے۔ جنگِ بدر و احد و حنین و خیبر و خندق وغیرہ کے واقعات تواریخ میں دیکھیے معلوم ہوجائیگا۔ کہ اکثر مواقعِ جنگ پر آنحضرت کے سربرآوردہ اہل لشکر نے نبی کو نرغۂ اعدا میں تنہا چھوڑ کر کیا کار نمایاں کیا ہے۔ مگر شہید کربلا کے جان نثار تا دمِ حیات ایک دم اپنے آقا سے جدا

نہیں ہوئے مثل ہالۂ ماہ اپنے سردار کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ نہایت تعجب دلانیوالی بات ہے، کہ تشنہ و گرسنہ لوہے کے دریا میں شناوری کر کے اپنے آقا کی حفاظت و نگہبانی سے ہاتھ نہ اوٹھائیں میدانِ جنگ سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ بلکہ دمبدم دشمنوں کے دل میں نیزہ و شمشیر کے سامنے سینہ تانکر بڑھتے جائیں اور نبیؐ کے یارانِ باصفا آلاتِ حرب کی تابش سے ہم مزاجِ سیماب ہو کر کافور ہو جائیں۔ حضرات غلامانِ سید الشہدا ہرگز کسی نبی یا وصی کے اصحاب سے مثال نہیں دیئے جا سکتے۔ خدا نے وہ خاص بندے اسیواسطے پیدا کئے تھے کہ جن سے صبر و شکر کی شان کو رونق ہو جائے۔ اگر معرکۂ کربلا میں ما فوق العادتِ بشری ان لوگوں سے یہ خدمتِ اسلام عمل میں نہ آتی تو وفاداری ورضا الصابوجہ اللہ جان سپاری کا کوئی نام بھی نہ جانتا۔ حقیقت میں اون لوگوں کی کچھ شان ہی جدا تھی چنانچہ ایک بزرگ اون کے حالات اس طرح نظم کرتے ہین۔

صرفِ قیام و قعود محو رکوع و سجود ۔۔۔ صائم ایامِ صیف عابد شب زندہ دار
قلتِ آب و غذا کثرت صوم و صلوٰۃ ۔۔۔ قوتِ ایمان نہاں ضعف بدن آشکار
دیکھنے کو بزم میں لاغر و زار و نحیف ۔۔۔ معرکۂ رزم میں شیر کو کر دین شکار
عین شجاعت میں حلم فاقہ و عسرت میں جود ۔۔۔ نفس پہ ایثار غیر جبر مع الاختیار
عابد و زاہد تھے وہ راکع و ساجد تھے وہ ۔۔۔ قانع و صابر تھے وہ صالح و پرہیزگار
کافروں پہ تھے شدید مومنوں پہ تھے رحیم ۔۔۔ فضلِ خدائے کریم اونپہ تھا لیل و نہار
صبر چراغِ طریق شکر تھا اون کا رفیق ۔۔۔ کفر تھا اون سے ضعیف دینِ نبی استوار

مومنین شہیدانِ کربلا کی واقعی تعریف کرنے پر کسی کو قدرت نہیں۔

اگر یہ چرخ گردان لاکھ باری چرخ مار یگا ۔۔۔ نہوئیں گے کبھی ایسے بہادر صف شکن پیدا
رہا عالم میں شہرہ تا بہ محشر اون شہیدونکا ۔۔۔ اوٹھائیں کربلا والوں نے الحق سختیاں کیا کیا
نہ ایسی فوج پھر ہوگی نہ ایسا شاہ ہوئیگا ۔۔۔ نہ ایسے تارے ہوئیں گے نہ ایسا ماہ ہوئیگا

پس امام حسین علیہ السلام نے جو اپنے دوستوں کی تعریف فرمائی ہے اوس سے یہ غرض نہ تھی کہ تمام صحابۂ رسول و یاورانِ جناب امیر و امام حسن ناقابلِ محض تھے جن لوگوں نے انحضرت

کی رکابِ سعادت انتساب میں شہادت پائی اور آیہ وافی ہدایہ رجاھدوا بہ انفسھم) پر
عمل فرمایا وہ اعلےٰ درجہ کے مومنِ پاک اور ہم رتبۂ صدیقین و صالحین تھے۔ جس قدر آیات
توصیفِ صحابہ میں وارد ہوئی ہیں وہ انہیں لوگوں سے علاقہ رکھتی ہیں جو کہ شہید راہِ خدا ہوئے
یا وہ بزرگوار جن کو شہادت نہیں ہوئی۔ مگر دینِ حق کی پوری تائید کی اور جماعتِ کفار کا قلع قمع
کردیا حضرت نے جو اپنے صحابہ کی توصیف فرمائی یہ اون لوگوں کے مقابلہ میں ہے جو کہ نہ خود
مرے اور نہ کسی کو مارا۔ میں اصحابِ حسین کی بہت باتیں جنکا تعلق خلوص و وفا سے ہے چھوڑکر
صرف دو واقعہ بیان کرتا ہوں اول یہ کہ اوس بلاخیز رات میں جس کو شبِ شہادت کہتے ہیں اور
جس کو پھر امام نے دنیا میں نہ دیکھا۔ اصحاب کی کیا حالت تھی۔ دوسرے اوس نماز کا ذکر کروں گا
جو کہ عین موقع قتال کے وقت پڑھی گئی ہر دو امور پر نظر فرما کر خود اہلِ انصاف کہدینگے کہ صحابۂ رسول
و فدائیانِ امام میں کیا فرق تھا۔ بغور سماعت فرمایئے روزِ نہم کو جبکہ بابِ صلح بند ہوگیا اور دسویں
کی صبح سے اشتہارِ جنگ دیدیا گیا اوس رات میں عجب تلاطم تھا۔ پہلے تو سوائے امام کے اور
سب کو ایک ضعیف سے یہ امید تھی کہ شاید ابنِ سعد بعیت کے اصرار سے دست بردار ہوکر حضرت کو
صرف اتنی ہی اجازت دیدیوے کہ تم ملکِ عرب چھوڑکر دیگر ممالک میں چلے جاؤ۔ خاندانِ نبوت سے
کوئی حجاز میں نہ رہے۔ مگر جبکہ دونوں لشکروں کے بیچ میں یہ آواز بلند ہوگئی کہ صبح بالضرور
لڑائی ہوگی امام کا کوئی غدر نہ سنا جائیگا دریا کے پہرہ دار خبردار رہیں۔ حسین کے لشکر میں
ایک قطرہ پانی کا نہ جائے جو لوگ محاصرہ کئے ہوئے ہیں وہ نہایت چستی سے کمربستہ رہکر گشت لگایا کرتے
رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حسین غفلت دیکر نکل جائے اوسوقت سب کو یقین ہوگیا کہ اب ہم نہیں بچ سکتے
یقینا مارے جائینگے۔ سب کو اپنی جانوں کا قلق نہ تھا۔ خاندانِ نبوت کی تباہی و بربادی پیش
نظر تھی۔ چونکہ نورِ ایمان سے اون کے سینے معمور تھے۔ بطلق ہراس نہ کیا۔ مرنے پر نہایت چستی
سے کمریں کس لیں۔ تلواروں کے نیام اوتار کر اوس آگ میں ڈالدیئے۔ جو کہ خیمہ کی حفاظت
کے لئے روشن کی گئی تھی۔ برہنہ شمشیریں ہاتھوں میں لئے ہوئے درگاہِ رب العزت میں بصد
الحاح و زاری عرض کرتے تھے کہ خدایا ہم تیرے رسول کی اطاعت میں صرف بپاسِ حفاظت
دینِ حق دریائے بلا کا عبور کرتے ہیں۔ ہماری آبرو کا تو ہی حافظ و کفیل ہے الٰہی ایسی توفیق دے

کہ ہمارے پائے ثبات کو تیری خوشنودی کے جادہ سے تزلزل نہ ہو۔ حضرت کے انصار نے اوس صحرائے وحشت ناک میں ایک مجلس قائم کی جس کے ممبر اعلےٰ حضرت حبیب ابن مظاہر تھے آپ نے سب کو پیاسے مرگ دیکھ کر فرمایا کہ سنو بھائیو تم کو سمجھانے سکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا نے تمہارے دلوں میں محبتِ آلِ نبی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ انشاء اللہ مسلکِ مستقیم سے ہرگز دور نہ ہوگے مگر احتیاطاً کہتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ اپنے مقدس کلام میں فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ الی اٰخرھا یعنی اے مومنوں ہم تمہاری آزمائش کرینگے۔ بھوک۔ خوف۔ نقصانِ مال و جان۔ وغیرہ و میوہ جات میں پس ممکن ہے کہ تمام مدت میں ایک دفعہ امتحان لے یا آنکہ ایک ایک میں بہ اوقاتِ مختلفہ۔ یا یہ کہ منجملہ خوف نقصانِ مال وغیرہ کے کسی ایک بات میں اپنے بندہ کا امتحان لیلوے۔ آفرینش آدم علیہ السلام سے تا ایندم کسی شخص یا اشخاص سے ایک دفعہ میں تمام صیغوں کے اندر امتحان نہیں لیا گیا۔ مگر نہایت شکریہ کا موقع ہے کہ ہم عاجزوں اور وطن آواروں کا جملہ باتوں میں ایک دفعہ امتحان لیا گیا بھوک کی حالت ظاہر ہے کہ ہمارا ساتھ اوس خاندان سے ہے جنہوں نے تین دن روزہ پر روزہ رکھ کر اپنی غذا یتیم و مسکین و اسیر کے حوالہ کی۔ خوف کی حالت دیکھ رہے ہو فوج مقہور میں چہار طرف سے گھرے ہوئے ہیں ہر دم پیام مرگ پہنچ رہا ہے کوفہ سے متواتر ہمارے قتل کے احکام آرہے ہیں۔ عباس نے پاسبانئے حرم میں شدتِ ہراس سے کئی دن ہوئے کہ کمر نہیں کھولی۔ اِس غضب کی گرمی میں حسین علیہ السلام نے غلبۂ خوف سے خیمۂ حرم کی پشت پر آگ روشن کرا رکھی ہے۔ نقصانِ اموال و ثمرات جسکا ذکر آیۂ مبارکہ میں ہے اوس میں ہم سب نے پورا حصہ پایا زن و فرزند و املاک و باغات و جائیداد و نقد و جنس سب پر خاک ڈالی اور مظلوم کا دامن پکڑ لیا سوائے ازیں پرچہ جات امتحان میں پیاس کا ذکر نہ تھا۔ کیونکہ گرمی کے موسم میں پیاسا رہنا تکلیف مالا یطاق میں داخل ہے دیگر تکالیف اوس کے سامنے ہیچ ہیں۔ مگر تم نے اوس میں بھی تعریف کے ساتھ پاس حاصل کیا۔ خود زبانِ امام سے کہ کم از ارشاد رسول نہیں جلیل القدر لوگوں پر اپنا فائق ہونا سن لیا لیکن کل ہمارا تمہارا امتحان اعلےٰ صیغہ میں ہوگا اور وہ تمام مدات بھوک و پیاس وغیرہ سے

بمرتبہ بڑھا ہوا ہے کہ جس کی کوئی حد غایت قایم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ پرچہ جان سے تعلق رکھتا ہے۔ خنجر و گردن کی ملاقات اوس میں لازمی سمجھی گئی ہے۔ مَیں تم میں ایک مرد پیر گرم و سرد دیدہ ہوں اور تم سب ماشاءاللہ جوان ہو ڈرتا ہوں کہ کہیں اوس کی مشکلات سے گھبرا کر سادہ ورق ممتحن کے سامنے نہ رکھدو اگر کل کے پرچہ میں پورے نمبر پا گئے تو یاد رکھنا صفِ امتحان سے اٹھ کر پہلے پہل جو عہدہ ملیگا وہ رسالت مآب کی مصاحبت ہوگی فاطمہ معہ غسل حوران جنان تمہاری پیشوائی کو آئینگی رضوان حلہ جنت لائیگا۔ ساقیِ کوثر آب کوثر کے چھلکتے ہوئے جام دینگے شراب طہورا کے قرابے دہنے بائیں رکھے ہوں گے غلمان پیالیاں بھر بھر پلائینگے۔ تم کو ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ اہلِ بیت سے پہلے جانیں دیدو۔ خاندانِ نبوت سے کسی کا بال بیکا نہ ہو کہ ہمارا خاتمہ ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ شاہزادوں سے کسی کو ہمارے سامنے صدمہ پہونچگیا تو پھر رسول پاک کے سامنے آنکھ نہ اوٹھا سکیں گے۔ صحابہ کی وفاداری تو اس شان کی تھی خاندانیوں کی حالت ملاحظہ ہو۔ جناب عباس علیہ السلام اپنے بھائیوں اور دیگر بنی ہاشم کو مشفقانہ سمجھا رہے تھے کہ اے میرے پیارو انصار محض خوشنودیِ خدا کی غرض سے ہمارا ساتھ دیتے ہیں ان لوگوں نے بال بچوں کو چھوڑا وطن سے بیوطن ہوئے زراعت و املاک پر خاک ڈالی اور ہمارے ساتھ سربکف ہو لئے ان کا استحقاق ہم سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ ہم اگر نصرتِ امام کرتے ہیں تو اس کا کسی پر احسان نہیں کیونکہ ہمارے لئے ایسا کرنا لازمی ہے۔ اگر نہ کریں ملزم بہ الزام ناخلفی ہو جائیں احسان ان لوگوں کا ہے کہ غیر ہو کر ہم سے زیادہ داد وفاداری دے رہے ہیں آپ کو لازم ہے کہ انصار سے پہلے اپنی جانوں کو فدا کردو اور حضرت کی طرف سے مطمئن رہو۔ جب تک مَیں زندہ ہوں انشاءاللہ بھائی کو اس فوج کے حملوں سے بچاؤں گا۔ سایہ علم سے حرارتِ آفتاب کو روکوں گا۔ خیمہ حرم میں بھی یہ ہی انتظام در پیش تھا ہر بی بی جدا جدا تصدق کے اہتمام میں مصروف تھی۔ عام قاعدہ ہے کہ نزولِ بلا کے وقت صدقہ سے اوس کے دفعیہ میں کوشش کیجاتی ہے۔ لہٰذا خواتین معظمہ نے درگاہِ خدا میں پیش کرنے کے لئے اپنے نور نظروں کو ہر طرح سے آراستہ کیا تھا نئے کپڑے بدلوائے بالوں میں شانہ کیا آنکھوں میں سرمہ لگایا اور سمجھایا کہ اے بچو میدان میں ایسا نمایاں کام کرنا کہ جس سے

فرداسیدہ کے سامنے ہماری آنکھیں نیچی نہ ہوں جناب زینب سلام اللہ علیہا صاحبزادوں سے کہہ رہی تھیں کہ تم نادان ہو مگر میں کان کھولے دیتی ہوں کل اس غمزدی ماں کی آبرو تمہارے ہاتھ میں ہے لشکرِ مخالف سے ایسا جی توڑ کر لڑنا کہ باپ دادا کا نام روشن ہو جائے دیکھو میں کہے دیتی ہوں دریا کی طرف ہرگز نہ جانا اوس کی ٹھنڈی ہوا کے سامنے بند قباء نہ کھولنا پیاس سے زیادہ بیچینی ہو تو اصغر معصوم کی تشنگی پیشِ نظر رکھنا۔ اگر تم نے پانی پی لیا تو مجھ کو ان بی بیوں سے بڑی ندامت ہوگی وارے گئی اس میدان میں بڑی بھاری کارگذاری یہی ہے کہ پیاسا مر جائے۔ جناب اُمِ کلثومؑ چونکہ لاولد تھیں۔ لہٰذا اُس شب اپنی بے بسی سے جو صدمہ اوٹھایا بیان نہیں ہوسکتا۔ جناب محترمہ اپنے دل میں یہ سوچ سوچ کر گھلی جاتی تھیں کہ کل صبح جب تمام بے بیان اپنا اپنا صدقہ پیش کرینگے اوس وقت میں فرطِ ندامت سے بے موت مر جاؤں گی جناب عباس نے بفراست یہ معلوم کر کے بہن سے عرض کیا کہ حضور گھبرائیں نہیں۔ بڑی بہن بجائے ماں کے ہوتی ہے آپ مجھ کو اپنا فرزند قرار دے کر حضرت کی خدمت میں پیش فرمادیں انشاء اللہ میدان میں پوری جان فشانی کر کے آپ کا نام روشن کروں گا۔ غرضکہ انہیں انتظامات میں وہ رات جس کی صبح روزِ قیامت سے کم نہ تھی گذری اور ستارۂ سحر نمودار ہوا سبھوں نے خاک پر تیمم کر کے نماز پڑھی ہنوز فراغت نہ ہوئی تھی کہ لشکرِ مخالف سے تیر آنے شروع ہوگئے سجادہ سے اوٹھ کر تمام بزرگوار میدانِ حرب میں آکر مصروفِ کارزار ہوئے۔ گو کہ بھوک پیاس اور دیگر صدمات نے اون کے قلوب کو بالکل خستہ کر دیا تھا ضعف و نقاہت و اضمحلال بحدے طاری تھا کہ جس کا سوادنہ قوتِ خیالی بلا معاینہ کر سکتی ہے۔ لیکن چونکہ طاقتِ ایمان دلوں میں بھری ہوئی تھی۔ لہٰذا ایک ایک مجاہد نے بہ ایں خستگی کئی کئی نامی دلیروں کو مار کر شہادت پائی جو شخص نیزہ و تلوار کھا کر گرتا تھا وہ یہی آواز دیتا تھا کہ آقائے دوجہاں آپ میری وفاداری و خدمت گذاری سے خوش بھی ہوئے حضرت جواب دیتے تھے کہ جزاک اللہ فی الدارین خیرا حقیقت الامر یہ ہے کہ کربلا والوں کی حیرت خیز خدمت اسلام نے لوگوں کو سچے مسلمان بننے کا سبق دیدیا اور راہِ اطاعت پر قایم رہنے کی پوری

ہدایت کر دی۔ ہم لوگ بھی اپنے آپ کو غلامانِ آلِ طیب میں داخل سمجھتے ہیں اور اُسی گھرانہ کے وابستگان میں شمار ہونے کے مدعی ہیں۔ اون وفادار غلاموں نے اپنا خون قدمِ امام پر نثار کیا۔ ہم کو وہ موقعہ نہیں ملا۔ تو کم از کم اتنا ہی کریں کہ اون پاک خیال لوگوں کی خدماتِ دینی پر نظر کر کے دانۂ اشک نذر کرنے میں تنگ چشمی نہ کریں ہماری ہمتیں چونکہ کوتاہ ہیں جان نثارانِ الشہیدا کے بامِ ہمت تک ہماری کمند توفیق نہیں پہونچ سکتی۔ لہٰذا ایک ایسی چیز میں جو کہ شبانہ روز عملی حالت میں ہے (نماز) بقدر طاقت اوس کی بجاآوری میں کوشش تبلیغ کی جائے۔ جس نماز کو ہم اپنی خباثتِ نفسانی سے بے وقعت سمجھ کر کم توجہی کرتے ہیں۔ مصیبت زدگانِ کربلا کی حالت پر نظر کرنی چاہئے۔ کہ اون کی نگاہ میں اوس کی کیا عزت تھی۔ قاعدہ ہے کہ جب جان پر بنجاتی ہے اور انسان کے لئے سوائے مرنے کے کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا اوس وقت شدتِ اضطراب سے ہوش و حواس پران ہو جاتے ہیں لیکن قربان ان طاعت گذاروں پر کہ مرتے وقت بھی عبادتِ خدا کس حسن عقیدت سے ادا کی۔ عین اوس وقت میں جبکہ تلواروں کی چمک چشم آفتاب کو خیرہ کر رہی تھی۔ میدانِ حرب سے لاشہ پر لاشہ آرہا تھا۔ آنِ واحد کی زندگانی پر کسی کو بھروسہ نہ تھا ایسے پرخطر وقت میں خدا کی جانب متوجہ ہونا سوائے خاصانِ باری کسی دوسرے کا کام نہیں۔ عین موقع جدال پر روایت ہے کہا یہ شہ سے آکر ابو تمامہ نے

کہ یا مولے زوالِ شمس کے اوپر نظر کیجئے
تمنا ظہر کے پڑھنے کی ہے رن میں جماعت سے
نمازِ آخری پڑھ پڑھ کے پھر تلواریں کھائینگے
کہاں پھر یہ جماعت اور کہاں تم سا امام آقا
کہاں پھر یہ سجود اور یہ قعود اور یہ قیام آقا

یہ سنکر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو تمامہ اس وقت تم نے نماز کو یاد کیا خدا بروز محشر تم کو نماز گذاروں میں داخل کرے۔ اس گروہ سے درخواست کرو کہ اتنی دیر تک لڑائی موقوف کریں کہ ہم چار رکعت نماز پڑھ لیں ہائے افسوس کیا زمانہ نے رنگ بدلا تھا کہ جس کے گھر سے احکامِ نماز نکلے اوسی کو مسلمان نماز پڑھنے کی اجازت دینے میں مضایقہ کرتے تھے بہزار دقت و دشواری اجازت ملی۔ آپ نے شاہزادہ علی اکبر کو حکم دیا کہ آذان کہو۔ لیکن چوبیس پہر کے پیاسے میں یہ کہاں طاقت تھی کہ بہ آواز بلند اللہ اکبر کہہ سکے زبان سوکھ کر تالو سے

لپٹ گئی تھی۔ بہرحال جس وقت شاہزادہ اذان دینے کیلئے رو بہ قبلہ ہوا۔ اور خیمۂ حرم میں وہ پیاری اور دل آویز آواز پہنچی۔ چونکہ خاندانِ نبوت میں بہ ایں ہئیت کدائی وہ آخری جماعت تھی اہلِ حرم نے اوس عبادت کے نظارہ کو خیمہ کا پردہ اوٹھا دیا۔ ہر بی بی فرطِ محبت سے موذن کی بلائیں دور ہی دور سے لے کر دعائیں دے رہی تھی کہ الٰہی یہ شاہزادہ و امام ہر بلا سے محفوظ رہ کر اس تہلکہ سے نجات پائے گو کہ لشکر مخالف چار رکعت کے لئے مہلت دیچکا تھا۔ مگر حضرت کو اون پیمان شکنوں کے وعدہ پر بھروسہ نہ تھا بہ ایں وجہ آپ نے اطمینانی طریقہ پر نہیں بلکہ بقاعدۂ نمازِ خوف اس طرح ادائے فریضہ پر تہیہ کیا کہ دو اصحاب کو حکم دیا کہ میرے آگے کھڑے ہو ما بقی پیچھے استادہ ہوئے۔ اور حضور بیچ میں۔ جس وقت کہ آپ مشغولِ طاعت ہوئے وہ بدعہد اپنے وعدہ پر قایم نہ رہے تیر پھینکنے شروع کئے۔ قربان اون فدایان کی عالی ہمتی پر جو تیر آتا تھا اوس کو اپنے بدن پر روکتے تھے اپنے آقا کے بچانے میں سپر کا کام دیتے تھے جس طرح بنابر ادائے ارکانِ نماز حضرت کج و راست ہوتے تھے وہ بھی فعل یہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مدّاح نے اس واقعہ کو بہ ایں عنوان نظم فرمایا ہے۔

ظہیر قین اور سعد ابن عبداللہ دینِ پرور — ہوئے آگے کھڑے شبیر کے سینہ سپر ہو کر
جماعت سے نماز ظہر جب پڑھنے لگے سرور — لگے چلنے ادھر سے دشمنوں کے وار دونوں پر
جو تیر آگے سے آتا تھا جگر پر روک لیتے تھے — جو تیغ اوپر سے آتی تھی تو سر پر روک لیتے تھے
لگا تا تیر جب اون کو غش ہوئے او سدم ہیبت بضطر — لگے گھبرا کے ہر دم دیکھنے حضرت کو مڑ مڑ کر
تضرع کرتے تھے اللہ سے اے خالقِ اکبر — نہیں فارغ ہوئے تیری عبادت سے ابھی سرور
الٰہی بیوفائی کی ہماری زندگانی نے — نہیں پھیرا سلام آخری زہرا کے جانی نے
خدایا تو مدد کر ہم خجل ہوتے ہیں سرور سے — الٰہی سرخرو کر ہم کو تو سبطِ پیغمبر سے
الٰہی مرتے دم رخصت تو ہولیں ابنِ حیدر سے — الٰہی منہ تو مل لیں اپنا اوس پائے مطہر سے
خدایا مدتوقف ہو کہ اک دم جی سنبھل جائے — قدم تک شاہ کے پہونچے یہ سر پھر دم نکل جائے
یہ کہتے ہی گرا سعد ابنِ عبداللہ غش کھا کر — ظہیر قین تنہا رہ گیا استادہ اوس جا پر
ہوئے فارغ نماز ظہر سے جب سبطِ پیغمبر — تو دیکھا مر گیا سعد ابنِ عبداللہ دینِ پرور

لہو جاری ہے زخموں سے پڑا ہے خاک پر زخمی - جگر زخمی ہے دل زخمی ہے تن زخمی ہے سر زخمی

مومنین ایک یہ اصحاب تھے ۔ جنھوں نے سینہ سپر ہو کر اپنے آقا کو نماز پڑھوائی وہ بھی اصحاب ہی کہے جاتے ہیں جنھوں نے امام حسن علیہ السلام کے نیچے سے مصلے کھینچ لیا وہ بزرگوار بھی موصوف بہ صفت صحابیت ہی تھے جو کہ آنحضرت کو نماز میں کھڑا ہوا چھوڑ کر اپنا کام کرنے غلہ خریدنے کیلئے بازار میں چلے جاتے تھے سورہ جمعہ میں (وَتَرَكُوكَ قَائِمًا) یعنی اے محمد تجکو نماز میں چھوڑ کر تیرے ساتھی چلے جاتے ہیں) اونہیں لوگوں کی شان میں وارد ہوا ہے۔ تمام واقعات مصرحہ صدر پر نظر کر کے اہلِ انصاف خود فیصلہ فرمائینگے کہ جناب حسین علیہ السلام کا ارشاد اپنے صحابہ کی نسبت کس حد تک قابلِ تسلیم ہے اور معترضین کا ایراد کیا وقعت رکھتا ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ زمانہ حضرت ابو البشر سے تا خاتم علیہ السلام ایسے سچے برگزیدہ و ابرار یار کسی کو نہیں ملے اسی کے متعلق ایک اور واقعہ ہے جس کے دیکھنے سے واضح ہو جائے گا کہ حضرت کے اہلِ بیت و اصحاب نے ۔کیا کیا قابلِ قدر کام میدانِ کربلا میں کیا ہے۔ روایت میں وارد ہوا ہے کہ بروزِ نہم جبکہ بابِ صلح بند ہو گیا تھا۔ لشکرِ شام نے شورش عظیم برپا کی کہ اے حسین اگر بیعت سے انکار ہے تو ابھی جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت نے جناب عباس علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے بھائی اگر ہو سکے تو ایک رات کی مہلت حاصل کرو کیونکہ فردا روز جمعہ ہے اور اس شب میں مجھ کو چند امر ضروری کا پورا کرنا ہے۔ جناب ابی الفضل نے اپنے بھائی کا پیغام شمر کو دیا اوس نے اپنی شقاوت سے نہ مانا۔ بعض لوگوں نے ابن سعد سے کہا۔ بیت

اے ابنِ سعد یہ تو محمد کی آل ہے - کافر تلک تو مہلت جنگ و جدال ہے

غرضکہ بہزار دقت و دشواری اوس رات کی مہلت ملی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت نے ایک شب کی اجازت اس واسطے لی تھی کہ آج بغور و تامل بیعت کے کرنے یا نہ کرنے میں ایک رائے قائم کر لیں۔ یا یہ کہ عبادت کو درجہ تکمیل تک پہنچا دیویں بہ نسبتِ حقیر یہ دونوں خیال غیر و قبیح ہیں اس لئے کہ جس بیعت سے انکار ہو چکا تھا پھر اوس پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ یہ مسئلہ اوس وقت کا طے شدہ تھا۔ جبکہ

آنحضرت نے روبروئے جبرئیل علیہ السلام امت کا نفع مدنظر کر کے اپنے گھر کی تباہی بصد خوشی منظور کر لی تھی۔ امام معصوم کی عبادت بھی کبھی ناقص نہ رہتی تھی ہمیشہ اور ہر وقت درجۂ کمال پر پہونچ جاتی تھی بعد حصول مہلت آپ نے جو پہلا کام کیا اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ غرض اصلی وہ ہی تھی۔ جس کو آپ نے بہ اہتمام خاص انجام دیا۔ چونکہ حضور حجت خدا تھے لہذا منظور ہوا کہ سب لوگوں کو واضح طور پر سمجھا دویں کہ جو میرا ساتھ دیگا وہ بضرور مارا جائے گا۔ تاکہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو اور یہ عذر کرنے کی کسی کو گنجایش نہ ملے کہ امام عادل نے اصلی راز کو ہم سے پوشیدہ رکھا۔ اگر صاف صاف بتلا دیتے تو ہم سمجھ کر کام کرتے۔ لہذا آپ نے اول انصار سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ صاحبوں نے جو میرے ساتھ تکالیف اوٹھائیں اوسکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور خدا سے تمہارے واسطے طالب جزائے خیر ہوں۔ میں نے اپنے اور تم سب کے بچانے میں یہاں تک کوشش کی کہ ملک عرب سے اپنا نکل جانا منظور کر لیا۔ لیکن لشکرِ شام شورش پر ہے وہ کسی طرح بلا بیعت رضامند نہیں ہوتا۔ میں اس کو اگر منظور کرتا ہوں تو جان بچ جائے گی مگر نانا کا دین صفحۂ عالم سے جاتا رہیگا۔ میرے نزدیک جان سے ہزار درجہ اوس کی حفاظت ضروری ہے۔ بالفرض اگر میں بیعت کر بھی لوں۔ تب بھی یہ گروہ مجھ کو زندہ نہ چھوڑے گا کچھ نہ کچھ بہانہ قایم کر کے قتل کر ڈالے گا۔ آپ میرے ساتھ اپنی جان نہ دیں سب صاحب مع الخیر وطن میں جاکر اپنے بال بچوں سے ملاقی ہوں۔ میں تم کو یہ بھی اطمینان دلائے دیتا ہوں کہ میری ترک رفاقت سے جو کہ بہ اجازت کی جائے گی۔ تم پر نہ کوئی الزام وارد ہوگا اور نہ تمہارے مدارج میں فرق پڑیگا۔ حضرات یہ سنکر اون بزرگ خصلتوں کے جگر پر چھری پھر گئی ایک دوسرے کے منہ کو بہ حسرت دیکھنے لگے بالآخر بکزبان ہو کر۔ **بیت**

یہ سب چلائے کہ اے لختِ دلِ شیرِ خدا
ہم کبھی آپ کے قدموں سے نہ ہوویں گے جدا
آپ کی جان پہ یہ سر بھی گھر بھی فدا
ہم غریبوں کو نہ یہ وقت پھر ہاتھ آئے گا
ہمکو شرمندۂ رسول عربی سے نہ کرو
ہم کو محجوب حسن اور علی سے نہ کرو
محشر میں جب سیدہ علیہا السلام پوچھیں گی کہ میرے کنبہ کو آفت میں پھنسا ہوا دیکھ کر تم لوگ

علیحدہ ہو گئے۔ کیا شانِ اسلام اسی کی مقتضی تھی اوس وقت کیا جواب دینگے حضرات قاعدہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ بعزم تسخیر مملکت کسی ملک پر لشکر کشی کرتا ہے وہ بقدر امکان افزائش و ترقی فوج میں کوشش کرتا ہے اپنی سپاہ میں کمی ہوتی ہے تو سلاطین قرب و جوار سے امداد خواہ ہوتا ہے جو لوگ نافہمی سے اس جنگ کو ملکی لڑائی کہتے ہیں وہ بہ تامل نظر کریں کہ حضرت کی واماندگی کی یہ نوبت مددگاروں کی یہ قلت اوس پر چند نفوس کی جو کہ عرفاً لشکر کہا جاتا ہے رخصت۔ کسی تاریخ میں دیکھا ہے کہ کوئی مدعی سلطنت کبھی ایسے فعل کا عامل ہوا ہے۔ الحاصل حضرت نے فرمایا کہ میں تمہاری ہمت آفرین کرتا ہوں لیکن یاد رکھو کل صبح سخت معاملہ روبکار ہونے والا ہے اول وقت نماز سے میرے خیمہ پر تیر آئیں گے جبکہ میرا سینہ و جگر تیروں کی بوچھاڑ سے سوراخ دار ہو جائے گا اوس وقت میں آواز استغاثہ بلند کرونگا۔ تمام وحش و طیور و سکانِ ارض و سما و جنات و ارواحِ انبیا میری امداد کو حاضر ہوں گے۔ اوس وقت میں اگر تم سے کوئی خوف کھا کر میدان چھوڑ دے گا تو اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائیگا۔ اگر اون شدائد کا تحمل نہ کر سکو تو ابھی چلے جاؤ۔ تمہارا کوئی روکنے والا بھی نہیں۔ بلکہ میرے دشمن اس سے خوش ہوں گے کہ اب حسین تنہا رہ گیا۔ سبھوں نے دستِ ادب باندہ کر عرض کیا کہ اے مولا اگر ہم ہزار بار قتل کئے جائیں یا جلائے جائیں تب بھی آپ کی نصرت سے ہاتھ نہ اوٹھائیں گے زیادہ اصرار سے ہم بے موت مرے جاتے ہیں جبکہ سرورِ عالم نے اون کو ایسا راسخ پایا تو بہ نظرِ عزت افزائی فرمایا۔ **بیت**

گر یہی عہد تمہارا ہے کہ ہم ہوں بیجان — سُن لو مجھ سے کہ میں ہوں مخبر صادق کی زبان
آج جنت کی بشارت ہو مبارک تم کو — کربلا میں یہ شہادت ہو مبارک تم کو

یہ فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خوب یقین کر لو چونکہ تم بلا اغراضِ ذاتی محض تائید دین کے لئے خالصۃً لوجہ اللہ سر فدا کرتے ہو لہذا فردائے قیامت گنہگارانِ امت کی شفاعت کا تاج تمہارے سر پر رکھا جائے گا۔ پھر حضرت اپنے خاندانیوں کی طرف متوجہ ہوئے اول پسرانِ حضرت مسلم سے کہا کہ باپ بھائیوں کے داغ نے تمہارے دل زخمی کر رکھے ہیں۔

اگر تم مارے گئے نسلِ عقیل سے زمین خالی ہو جائے گی۔ بہتر ہو کہ تم یہاں سے چلے جاؤ
اون صاحبزادوں نے عرض کیا کہ یا حضرت ہم دو شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں اول آپکی
حضور میں شہادت دوم باپ کے خون کا کوفیوں سے انتقام ممکن نہیں کہ ہم اس جگہ سے
ایک قدم بھی ہٹائیں۔ غرضکہ سب عزیزوں سے یہ بھی جوابِ باصواب سنکر حضرت خیمہ میں
تشریف لے گئے۔ چونکہ حرم سرا میں سوائے اہلِ بیتِ نبوی کے اور مخدرات بھی موجود تھیں۔
لہذا جناب نے غالبًا بہ این خیال کہ جب یہ عورات بتلائے بلا ہو کر مخالفوں کے قبضہ میں
جائیں گی عجب نہیں کہ بعض عورتیں بہ مقتضائے طبع نسوانی میری بہن کو طعنہ دیں کہ آپ
کے بھائی خود بھی تباہ ہوئے ہم کو بھی برباد کیا۔ اگر اون کو قتل ہو جانا منظور تھا تو ہم کو
مطلع کر دیتے لہذا آپ نے سب کو متوجہ کر کے فرمایا کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا پردۂ شب بیچ
میں ہے تم سب چلی جاؤ۔ مومنین جن بچوں اور بیبیوں کو بہ ہزار حفاظت و پردہ داری
امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھ لائے تھے آج اونہیں کو رخصت کرتے ہیں خیمہ حرم میں
حضرت کے بیان سے ایک عجب طلاطم برپا ہو گیا ہر بی بی امام کے دامن سے لپٹی
ہوئی اس کرب و بے چینی سے روتی تھی۔ کہ ارکانِ خیمہ متزلزل ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا
کہ میں اس واسطے تم کو چلے جانے پر رغبت دلاتا ہوں کہ عورات سے تحمل شدائد مشکل ہوتا
ہے۔ یہاں رہنے میں تم کو سخت باتوں کا سامنا ہو گا۔ میری شہادت کے بعد یہ ستمگار
وحشیانہ حرکات سے تمہارے ساتھ پیش آئیں گے سروں سے چادریں اتاری جائینگی
زیور لوٹ لیا جائیگا تم کو قیدی بنا کر شترہائے بے کجاوہ پہ سوار کریں گے۔ ہر قریہ و شہر میں
مثل بندیان کفار تم کو دکھاتے پھرینگے۔ ذلیل عورتیں خراب حالت میں دیکھ کر شماتت
کریں گی۔ اپنے بچوں پر تصدق کر کے تمہارے یتیم لڑکوں کو چیزیں دینگی دربارِ شاہی میں
ایسے وقت تمہارا چالان پیش کیا جائیگا جبکہ صدہا امیر موجود ہوں گے۔ روساء شام
تم کو حقیر سمجھ کر لونڈی بنانے کی خواہش کریں گے ایسے جیلخانہ میں قید ہو گی کہ جہاں
دن کو دھوپ میں جلنا اور رات کو اوس میں بھیگنا ہو گا۔ جناب زینب نے عرض کیا کہ
بھائی آپکی شہادت تو دینِ نبوی کی پشتیبان ہے۔ ہم غریبوں پہ جو یہ مصیبت نازل ہو گی

آخر اوس کا بھی کوئی ثمرہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے بہن خدا کسی کی محنت و ریاضت کو ضایع نہیں کرتا۔ اگر تم نے بطیب خاطر و خوشدلی اِن سب مصائب کو جھیل لیا اور امت کے لئے دعا ر بد نہ کی سوائے صبر و شکر کوئی دوسرا جادہ اختیار نہ کیا تو میری شہادت درجۂ تکمیل پر پہونچ کر نانا کی امت کے لئے ایک قوی ذریعہ نجات کا ہو جائیگا۔ یہ سنکر سب معظمات نے نہایت شگفتہ خاطری سے عرض کیا کہ اے آقا اگر ہماری توہین و تذلیل آپ کی تکمیلِ شہادت کا سبب ہوتی ہے تو ہمارے نزدیک یہ اہانت و ذلت ہزار عزت سے افضل ہے۔ ہم بہت استقلال سے وعدہ کرتی ہیں کہ اگر اس سے بھی ہزار درجہ سختی ہوئی راہِ رضائے حق سے کبھی قدم نہ ہٹائیں گی۔ سوائے شکرِ خدا کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں گی۔ ہر طرح کا جبر اوٹھائیں گی۔ مگر امت کے کام میں خرابی نہ آنے دیں گی۔ تمام خاندانِ نبوت نہایت راستبازی و نیک نیتی سے دینِ خدا کا حامی تھا تکالیفِ ذاتی کو امرِ حق کے مقابلہ میں بے حقیقت محض جانتا تھا میں نے بچشمِ خود ایک بزرگ صوفی کی کتاب میں جس کا نام اس وقت یاد نہیں دیکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن کو انتہا کا سوگوار دیکھ کر فرمایا کہ اے یادگار مادر گرامی چونکہ تم سے بعد میرے اون شدائد کا شاید تحمل نہ ہو سکے جو کہ پیش آنے والی ہیں۔ لہذا اگر تمہاری رائے ہو تو میں بیعت کر لوں ابھی سب طرح کا امن و امان ملا جاتا ہے سب پیاسوں کیلئے دریا سے پانی کی چھاگلیں ایک دم میں آ سکتی ہیں۔ تم کو بہ آسایش مکہ یہ وطن میں جا سکتا ہوں۔ معظمہ نے فرمایا کہ ایسے پُر آشوب وقت میں کون نفس ہے جس کو خواہشِ اطمینان نہ ہو۔ لیکن میں تو ہرگز یہ رائے نہ دوں گی کہ نانا کا دین ڈوبے اور ہم کو آسایش ہو آپ حافظ ملتِ نبوی ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے جس مذہب کے اجراء میں ہمارے بزرگوں نے تکالیفِ شاقہ کا سامنا کیا ہم چند روزہ زندگی کے لیئے اوس کو برباد کر دیویں ہماری یہ عین عزت ہے کہ خوشنودی خدا کے لئے دامِ بلا میں گرفتار ہوں آج بنظر جہلا ہم کو ذلت ہے۔ مگر انشاء اللہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں غیر قوموں کے سامنے فخریہ کہیں گی کہ ہمارا ایسا پاک اور سچا مذہب ہے جس کی حفاظت کے لیئے

ہمارے بزرگوں نے جانیں دیدیں عورتوں نے بہ ہزار عقوبت جیلخانہ میں بانا منظور کر لیا جوان لڑکیوں نے بصد خوشی رنڈاپے کے جوڑے پہن لئے حضرت نے یہ جواب سنکر فرمایا کہ (جزاک اللہ فی الدارین خیراً) یہ ہی وجہ تھی کہ بعد شہادت امام کون و مکان جناب معظمہ خیمہ کے گوشہ میں کھڑی ہوئیں۔ بارگاہ عزت میں عرض کر رہی تھیں کہ خدایا ہماری اس ادنیٰ قربانی کو اپنے فضل خاص سے منظور فرمالینا۔ المختصر اہل حرم سے کہہ سنکر جناب سید الساجدین کے پاس آئے دہنا بازو تھام کر دعا رشفا پڑھی اور کہا۔ **بیت**

کیا پڑے ہو غش میں تم اے عابدیں بیدار ہو ہم تو اب مرنے چلے اس گھر کے تم مختار ہو

بیٹا قیامت کا سامنا ہے ہوشیار ہو جاؤ ہم پر جو ہونا ہے وہ ایک دم میں گذر جائے گا اور تم کو بڑی بھاری مصیبت جھیلنی ہوگی بخار میں ساربان بنائے جاؤ گے اور سیر پیادہ روی کی زحمت سخت تکلیف دہ ہوگی۔ سرہنگان فوج اپنی شقاوت سے ناسزا کہیں گے۔ ماں بہنوں کو لے کر دربار میں جانا ہوگا۔ دیکھو میں کہے دیتا ہوں وہ مقام نازک ہے جس کا علاقہ قدرت نے تم سے کیا ہے ایسی جگہ ادنیٰ آدمی کو جوش آجاتا ہے اور تم تو بفضلہ ہر طرح کی قوت رکھتے ہو ایسا نہ ہو کہ وہاں زور باطنی سے کام لو ورنہ میری تمام محنت ضایع ہو جائے گی۔ چونکہ تم علیل ہو قید کی مصیبت اور شام کے سفر میں اور بھی مضمحل ہو جاؤ گے۔ میں پاسبانئ حرم کے لئے عباس بھائی یا علی اکبر کو چھوڑتا۔ مگر دونوں ماشاء اللہ جو شیلے جوان ہیں وہ ماں بہن پھپھیوں کو لے کر دربار میں نہ جا سکینگے چونکہ ہر شخص کی تکالیف حسب مرتبہ ہوتی ہے آپ خلعت امامت سے آراستہ ہیں۔ لہذا یہ حوصلہ آپ ہی کا ہے۔ **بیت**

بوجھ دو ہیں آج اونکو بانٹ لے زین العبا بار امت دے مجھے اور بوجھ گھر کا تو اوٹھا

اے عابد کل کی منزل تو انشاء اللہ میں طے کر لوں گا اور تم کو تمام عمر انواع و اقسام کے رنج گوارا کرنے ہوں گے۔ بیٹا گھبرانا نہیں ہر مصیبت کو راحت سمجھنا خدا تمہارا کفیل ہے۔ باپ سے یہ تمام باتیں سُنکر حضرت عابد کانپتی ہوئی آواز سے۔ حضور نے جو دو قرعہ بنا کر آفات و بلیات کو تقسیم فرمایا ہے فدوی کے نزدیک ان میں مساوات نہیں بابا آپ رسولخدا کے نواسے امام کے بیٹے صد یقۂ کبرےٰ کے لخت جگر امام کے بھائی خود امام ہر بلا کا تحمل کر سکتے ہیں

یہ ضعیف و ناتوان اس کوہِ آلام کو کیونکر اوٹھا سکے گا اے حضرت مجھ سے تو بیت

بہنوں کو لیکے قید میں جایا نہ جائیگا — خادم سے بارِ طوق اوٹھایا نہ جائے گا

حضور میں تو اپنی سعادت اسی میں جانتا ہوں کہ مثل دیگر بندگانِ بارگاہ سر فدا کر کے داخل شہدا ہو جاؤں حضرت نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہ سب سچ ہے فی الواقع شرفا کیلئے یہ سخت ترین عذاب ہے۔ مگر میرے پیارے کیا کروں ان بے وارثوں کے ساتھ ایک ذی عزت مرد کا ہونا ضروری ہے تم بحمایتِ خدا ہو تمہاری موجودگی میں ان غریبوں پر کوئی ضرر نہ پہنچیگا سوائے ازیں اگر آپ شہادت پا گئے تو امامت و سیادت دونوں نعمتیں اس گھر سے رخصت ہو جائینگی۔ رضائے الہی یہ ہی ہے کہ ہم سر کٹا کر شاد ہوں تم لٹا کر شاد ہو۔ میری شہادت تم سب اہل بیت کی اسیری نانا کی امت کے واسطے جو کہ مبتلائے گرد عصیان ہے بجوانِ مغفرت ہو جائے گی۔ آپ کو اس میں عذر نہ کرنا چاہئیے بے شبہ جو شدائد و آفات کہ آپ کے محال میں شامل کئے گئے ہیں وہ ایسے ہی دردناک ہیں کہ دونوں فرعوں کے مساوات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن اس بٹوارہ میں ہمارا ذاتی تعلق نہیں امین قدرت نے اسی طرح ترتیب دئیے ہیں۔ پس۔

بحکم خدا ہیں رو رہے ماں کا نہ باپ کا — پہنوں گلے میں طوق یہ حصہ ہے آپ کا

یہ سنکر سعادت مند بیٹے نے سر جھکا لیا اور عرض کیا کہ حضور میں بحکم خدا اور ارشادِ امام کا تابع ہوں۔ لیکن آپ میرے حق میں یہ دعاء فرمائیں کہ جو بوجھ اس عاجز و ناتوان کی گردن پر رکھا گیا ہے اوس کو منزلِ آخر تک پہونچا سکوں کہیں بیچ میں نہ پھینک دوں۔ حضرت نے فرمایا کہ توفیق خدا تمہاری رفیق ہوگی انشاء اللہ خدمت مفوضہ کو ایسا انجام دوگے کہ میں نانا سے تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔ حضرات اس رنجور آلام نے جو باپ سے وعدہ کیا تھا اوس کو بفضلِ خدا پورا کر دیا۔ بمقام غور ہے کہ جس شخص کو خدا نے وہ زور امامت دیا ہو کہ جس بات کی خواہش کرے بارگاہ رب العزت سے حاصل ہو جائے وہ ایسا تحمل کرے کہ جس کی نظیر پیش کرنے سے اوراقِ تواریخ عالم سادہ نظر آتے ہیں۔ ایسا ذی وقعت و با اختیار شخص اپنے کنبہ کی عورتوں کو لئے ہوئے اوس دربار میں کھڑا ہے

کہ جہاں صدہا رئیس اور ہزارہا تماشائی موجود ہیں۔ لوگ مذاق اوڑا رہے ہیں بادشاہ توہین آمیز باتیں کر رہا ہے۔ اون خواتین معظمہ کی جانب اونگلیاں اوٹھ رہی ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ ایہا الامیر یہ لڑکی مجھ کو لونڈی بنانے کے واسطے دیدے دوسرا کسی اور کی طرف اشارہ کرتا ہے حضور سر جھکائے کھڑے ہیں۔ صرف اتنا کہتے ہیں کہ اے مسلمانوں جو چاہو کہو۔ مگر جس نبی کا تم کلمہ پڑھتے ہو یہ ذریت اوسی کی ہے جس کو تم خادم بنانا چاہتے ہو، ہم مخدومِ عالم ہیں۔ جبرئیلِ امین بھی ہم کو مس نہیں کر سکتے۔ یہ واقعہ دیکھ کر جناب زینب غصہ سے کانپ اوٹھتی ہیں آپ اشارہ سے منع فرماتے ہیں کہ یہ موقعہ ہمارے تمہارے امتحان کا ہے۔ بابا اپنے فرائض کو پورا کر چکے اب ہماری باری ہے ایسا نہ ہو کہ امتحانی سارٹیفکیٹ کے نمبروں میں کمی ہو جائے کوشش کیجئے کہ حد مقررہ سے بڑھ کر کام کریں تاکہ شہدائے دشتِ بلا کی طرح تعریف اور بہت تعریف کے ساتھ پاس مل جائے۔ بابا کو جدِ امجد کے روبرو فخر کرنے کا موقعہ ملے کہ میری مصیبت زدہ بہن اور ناتوان بیٹا جہازِ امت کیلئے ایسے بھاری لنگر ہو گئے کہ بادِ مخالف کے تھپیڑوں کا اوس پر کچھ اثر نہ ہؤا۔ طلاطم امواج سے سخت ہچکولے کھائے مگر اپنی جگہ پر اس طرح پنجہ گاڑے رہا کہ جنبش نہ ہوئی۔ واقع میں سید الساجدین علیہ السلام کو سخت مصیبتوں کا سامنا ہؤا۔ مگر افضالِ خدا ایسا شاملِ حال ہوا کہ سب ناپرداشت بلاؤں کا بوجھ اوٹھا لیا۔ راہِ رضا سے ایک قدم نہ ہٹے۔ جو بلا نازل ہوئی بہت استقلال سے اوس کا استقبال کیا۔ جب تک زندہ رہے ایک دم آرام نہ پایا مدام ہدفِ تیر آلام رہے۔ جناب امام حسین علیہ السلام سے جو معرکہ پیش آیا وہ صرف ایک روز کا تھا اور آپ کو تاحیات موردِ آفات رہنا پڑا ایک مداح لکھتے ہیں۔

گذری جو حسین پر وہ دم میں گذری　　　عابد کی تمام عمر غم میں گذری

سوائے شکرِ خدا کبھی شکایت آمیز کلمہ زبان پر نہ لائے۔ ہاں دل پہ قابو نہ رہا تھا باپ کی تشنہ دہانی یاد کر کے اتنا روتے تھے کہ گویا دریا بہا دیتے تھے شام میں جو صدماتِ اہلِ حرم کی بے ردائی پر اوٹھائے تھے وہ ہر وقت پیشِ نظر تھے۔ اس کرب سے روتے تھے

کہ سُننے والوں کا جگر پارہ پارہ ہو جاتا تھا۔ کریم النفسی اس درجہ پر تھی کہ بیان سے باہر ہے یزید نے قتلِ سید الشہداء سے بظاہر نادم ہو کر عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی دعا ارتعلیم فرمائیے کہ جس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ نماز غُفیلہ پڑہا کر اگر خدا چاہے تو عفو کر دے مگر چونکہ ایک مومن کا قاتل جہنمی ہوتا ہے اور ابدالاباد تک نارِ دوزخ سے نہیں نکلسکتا بھلا امام جو کہ سردارِ مومنین تھے اون کے قاتل کو برارت کب ہو سکتی تھی وہ قدرتِ خدا سے اوس کے بجالانے پر قادر نہ ہوا۔ سُبحان اللہ یزید ماں بہنوں کو اسیر کرے تمام کُنبہ اوس کے دستِ جور سے برباد ہو اور سید الساجدین بوسیلۂ نماز طریقِ مغفرت بتلائیں۔ یہ جگر خدا نے انہیں بزرگواروں کو دیا تھا کہ ہدایت طلب کو خواہ وہ دوست ہو یا دشمن اپنے فیض سے محروم نہ فرماتے تھے۔

امر چہارم خود جناب سید الشہداء علیہ السلام کو قبولِ شہادت سے کیا رتبہ ملا

سوائے اون مراتبِ جلیلہ کے جو کہ حضراتِ ائمہ معصومین علیہ السلام کو حاصل ہیں۔ امامِ مظلوم کو ایک اور ایسا رتبہ ملا کہ جسکا مافوق ممکن نہیں وہ منصبِ عظیم یہ ہے کہ خدا نے اپنی عدالتِ نامتناہی سے اون کے ہاتھ میں بہشت کی کُنجی دیکر تمام کارخانہ کا مالک کر دیا تاکہ اپنے ہواخواہوں کو داخلِ جنت کریں اور دشمنوں کو دوزخ کی شعلہ ور اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیویں۔ چنانچہ حسب مفاد حدیث (من بکیٰ او تباکیٰ) اون لوگوں پر جنت واجب کی گئی ہے جو کہ امام علیہ السلام پر گریہ کرنیوالے ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے اس بیان پر اون لوگوں کے کان کھڑے ہو جائیں جنہوں نے اِس شہادتِ عظمیٰ کے حقایقِ واقعیہ پر نظر نہیں ڈالی۔ بلکہ اوس کو ایک حادثۂ اتفاقی مثلِ دیگر حوادثِ زمانہ سمجھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بعض گستاخ و دریدہ دہن مسلمانوں نے بجوشِ اسلام لکھا ہے کہ معرکۂ (اجودھیا) کہ کم از حادثۂ کربلا نہ تھا افسوس ہے کہ محمدی ہو کر اپنے نبی کے نواسہ کی شہادت کو جو کہ بقولِ شاہصاحب عینِ شہادتِ رسول تھی اجودھیا کے پنڈتوں اور پوجاریوں کے قتل و غارت سے مماثل و مشاکل فرماتے ہیں اور پھر اسلام کو بلاشراکت غیرے اپنا مملوکہ و مقبوضہ جانتے ہیں۔ جن لوگوں کو خدا نے چشمِ حقیقت بین دی ہے۔ اور عدلِ خداوندی کو اصولِ ایمان سمجھا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ فی الواقع

امام حسین علیہ السلام نے وہ کام پسندیدہ کیا ہے کہ جس کے معاوضہ میں عادل حقیقی کا اونکو مالک کارخانہ کر دینا عین عدالت ہے۔ بخیل و ناحق شناس یہ مضمون دیکھ کر تعجب کر سکتا ہے کہ امام حسین نے ایسا کیا نمایاں کام کیا جس سے اون کو سلطنت خداوندی کا مختار ذی اختیار سمجھ لیا جائے لہذا میں ایسے خیال کرنے والوں کی اطمینان خاطر کیلئے ایک حکایت پیش کرتا ہوں جس کو دیکھکر ممکن ہے کہ صاحبان استعجاب مان جائیں کہ فی الواقع حضرت نے خدا کی ایسی ہی اطاعت کی کہ جس کا اس عطائے باری کو سنگین معاوضہ نہیں تجویز کیا جا سکتا۔

حکایت۔ ایک بادشاہ شکار کھیلتا ہوا اپنے مصاحبوں سے جُدا ہو کر ایسے ویرانہ میں پہنچا کہ جہاں بوجہ عدم آبادی اوسکو شب باش ہونا گور کی پہلی منزل سے گراں نظر آتا تھا۔ درندوں کی ہیبت و ہوشربا آوازیں اُسکو باور کرا رہی تھیں کہ اِسی شب دنیا کو چھوڑ دیا جائیگا۔ بھوک۔ پیاس وصدمات پیادہ روی و دشت پیمائی نے مردوں سے بدتر بنا رکھا تھا۔ باایں ہمہ رنج و مصائب وہ گرتا پڑتا سلطنت کی راحت و آسایش کے تلف ہو جانے سے گریہ و بکا کرتا ہوا ایک سمت مُنہ اوٹھائے جا رہا تھا۔ ناگاہ اس ویرانہ میں ایک جھونپڑا نظر آیا جس کے اندر ایک پیرزن بیٹھی ہوئی تھی اوسکو اپنا ہمجنس دیکھ کر ایسا خوش ہوا کہ گویا تنِ بیجان میں جان آگئی۔ چونکہ تشنگی سے ہونٹوں پر دم آرہا تھا اول یہی سوال کیا کہ اے بڑھیا تھوڑا پانی پلا دے اوس نے ایک کاسۂ شیر حوالہ کیا پی کر پوچھا کہ اس ویرانہ میں تنہا کیونکر زندگی بسر کرتی ہو عورت نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ہے وہ خارکشی کر کے کبھی کچھ آٹا دال لے آتا ہے اوسی سے ہم اپنی زندگی کے دن پورے کرتے ہیں مالِ دنیا میں صرف ایک بکری ہے جس کا تجھ کو دودھ پلایا اگر کسی روز لکڑیاں نہ بکیں یا نہ ملیں تو اس بکری کے دودھ پر قناعت کر کے شکر خدا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اے مادر گرامی بھوک کی شدت سے میری نبضیں چھوٹی جاتی ہیں اقسام طعام کچھ دے ورنہ عنقریب ہلاک ہو جاونگا۔ بڑھیا نے کہا کہ اے بچے خدا خوب آگاہ ہے میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ اگر ہوتی تو کبھی یہ خشک جواب دیا جاتا۔ تھوڑی دیر صبر کر ابھی میرا بیٹا آتا ہے اگر تیری قسمت رسا ہے تو ضرور کچھ لائیگا۔ اِسی اثنا میں اوسکا بیٹا آیا اور ماں سے کہنے لگا آج بہت خاک چھانی مگر منہتمم جنگلات کے سپاہیوں نے ایک تنکہ نہ اُٹھانے دیا جس کو بیچکر کھانے کا سامان لاتا۔ یہ بات سنکر بادشاہ کی آس ٹوٹ گئی۔ بیہوش ہو کر زمین پر مثل مردہ کے گر گیا۔ بڑھیا بجائے خود غرقِ

دریائے ندامت تھی کہ مہمان بھوک کے صدمہ سے سفرِ آخرت کرنے والا ہے بیٹے کو ایک گوشہ میں لیجا کر مشورہ زن ہوئی کہ یہ کیا قیامت آئی۔ ہم تو بھوکے مرتے ہی تھے۔ یہ بندۂ خدا ہمارے دروازہ پر لقمۂ نہنگ اجل ہوا چاہتا ہے اس کی کوئی تدبیر ہونی چاہئے اوس نے کہا کہ آپ پر روشن ہے کہ گھر کے چوہے خالی برتنوں میں سر مار رہے ہیں۔ بڑھیا نے کہا کہ کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔ مگر بطور استمزاج دریافت کرتی ہوں کہ اگر اس بکری کو ذبح کر کے مہمان کو کچھ کھلایا جائے۔ تو اوس کی جان بچے ہر چند کہ میں خوب جانتی ہوں کہ میری اور تیری زندگی بکری کی حیات سے وابستہ ہے۔ جب یہ سہارا نہ رہیگا۔ ہم بھی بھوک پیاس سے اس کور مقام پر مر جائیں گے۔ لیکن ہم اپنے نفس سے مہمان کو افضل سمجھتے ہیں اوس سعید ازلی نے عرض کیا کہ آپ کی رائے کی متابعت میری سعادت ہے۔ بسم اللہ اپنے ارادہ میں دیر نہ فرمایئے۔ غرضکہ بکری ذبح کر کے مہمان کو اوس کے کباب کھلائے اور بجائے فرش نرم نرم کھال بچھا کر سلا دیا۔ لشکر شاہی بھی تلاش کنان وہاں پہونچا بادشاہ نے حکم دیا کہ پیرزن اور اوس کے بچے کو بہ اعزاز و احترام دولت سرا میں داخل کیا جائے۔ دربار عام کے وقت بادشاہ نے امرایان دولت و ارکانِ سلطنت سے پوچھا کہ اس بڑھیا نے میری جان ایسے دقت میں بچائی کہ جب بالکل ابواب امید بند ہو گئے تھے۔ آپ صاحب اس کے لئے کیا صلہ تجویز فرماتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص کی رائے حسب مرتبہ ہوتی ہے اہالیانِ جلسہ سے کسی نے مشورہ دیا کہ ان کو جنگل سے لا کر آبادی میں جگہ دیجئے۔ تا کہ حیوانیت سے انسانیت کے جامہ میں آئیں۔ بعض کی رائے یہ ہوئی کہ اتنا زر نقد دیجئے جس کو اوٹھا نہ سکیں کسی نے جاگیر و منصب عطا کرنے کا مشورہ دیا بادشاہ ہر رائے زن کی تجویز سن سنکر سر انکار ہلاتا تھا بالآخر خود ارشاد فرمایا کہ اس کے مجھ پر دو حق ہیں ایک تنہا میری جان بچانے کا۔ دوم میری حفاظتِ جان کے لئے اپنی بساطِ زندگانی و مایۂ حیات کے قطع کرنے یعنی بکری کے ذبح کرنے کا۔ بہ ایں جاہ و ثروت و دولت و حشمت میں ایک حق کے ادا کرنے پر قادر ہو سکتا ہوں اور دوسرے حق کے مقابلہ میں فرط ندامت سے سوائے

سر خم کر لینے کے اور کوئی چارہ نہیں میری جان ان لوگوں نے ایک عزیز چیز بکری کے ذبح کرنے سے بچائی۔ میرے پاس سلطنت سے محبوب تر کچھ نہیں۔ اوس کے معاوضہ میں بادشاہت دیئے دیتا ہوں تا کہ بالمثل بدلہ ہو جائے۔ مگر سوائے میری حفاظتِ جان کے بکری کے ذبح کر ڈالنے سے جو اِن دونوں نے اپنے عیش و زندگانی کو معرضِ خطر میں ڈالا اوس کا کوئی عیوض نہیں ہو سکتا۔ اہلِ دربار نے بادشاہ کی منصفانہ تجویز سنکر چہار طرف سے نعرہ واہ واہ و آفریں و تحسین بلند کیا۔

اہلِ دانش کو اس حکایت کے نتائج پر غور کرنا چاہیئے کہ جب ایک آدمی جس کی سرشت میں بخل و ناانصافی داخل ہے غایتِ انصاف سے ایسی دادِ سخاوت دے کہ اپنے تمام کارخانہ کا ایک شخص کو مثلِ خود مالک کر دیوے۔ تو خدائے عادل و سخی و کریم سے کیوں امید نہیں کی جاسکتی کہ جناب خامس آلِ عبا کو اس صلہ میں کہ اونہوں نے دینِ خدا کی حفاظت میں اپنے اوپر ہزارہا قسم کے صدماتِ جانگزا اوٹھا کر بالآخر زندگانی ایسی پیاری و محبوب چیز سے دریغ و مضائقہ نہ کیا بلکہ جان سے بہتر و خوشتر چھوٹے چھوٹے بچوں کو نذر باری کر دیا اپنے کارخانہ نامتناہی کا مالک کر دیوے۔ ایک ادنے آدمی جس کے خمیر میں وناوت و ناسپاسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اپنے محسن کو ایسی اُجرت دے کہ جس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے اور منعم حقیقی اپنے وفادار بندہ کو نہ دے سکے۔ شاہزادہ علی اصغر کو ہاتھوں پہ اوٹھا کر تیر کھلوانا کیا ذبح گوسفند کے برابر بھی عقل تجویز نہیں کر سکتی۔ اُمِ لیلےٰ کا علی اکبر کی کمر کو مرنے کے لئے پٹکہ سے مضبوط باندھنا۔ جناب زینب کا عون و محمد صغیر بچوں کو شانہ اور سرمہ سے آراستہ کر کے ہدیۂ دربارِ خدا کرنا عباس کا اہلِ بیت کی سقائی میں لبِ دریا رشانے قلم کرانا۔ قاسم کا نامراد و پرارمان دنیا سے جانا عابد کا راہِ شام میں شتربان بن کر پیادہ چلنا اور سوائے شکرِ خدا اُمت کو دعا بد نہ دینا۔ زینب و اُمِ کلثوم و دیگر مخدراتِ عصمت و طہارت کا لشکرِ شام کے سامنے جبکہ وہ خیمہ میں دُزدانہ چلے آئے تھے زیور و خلخال ڈال دینا و اُمت کی پردہ پوشی مدِ نظر کر کے اپنے سروں سے چادریں اوتروا دینا۔ یزید کے دربار

میں دست بستہ ہو کر کھڑے ہونا اور اوس وقت نزولِ بلا کیلئے خدا سے درخواست نہ کرنا کیا اس قابل بھی نہیں ہے کہ خدا اون کے سروں پر تاجِ شفاعت رکھ کر مالکِ جنت و دوزخ کر دیوے۔ امام حسین علیہ السلام کے وہ حقوق ہیں کہ بحکمِ خدا جس کو چاہیں جنت میں جگہ دے دیویں۔ کسی ہندی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

بیت

نبی علی کے پوت کی کون کریگا ریس ۔۔۔ سائیں کا گھر لے لیا کٹا کے اپنا سیس

اقوامِ غیر اسلام والے اس واقعہ عظیم کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔

اکثر اہلِ یورپ نے اس واقعہ کو بڑی نگاہِ عزت سے دیکھا ہے اگر سب کے بیان کو نقل کیا جائے طوالت ہوگی اس جگہ نہایت اختصار سے دو تین مورخوں کا نام معہ اون کے بیان کے نقل کرتا ہوں۔ مسٹر جیمس کا کرن نے تاریخ چین اردو زبان میں لکھی ہے جلد دوم میں جو عبارت تحریر ہے وہ بلفظہ نقل کی جاتی ہے دونیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی شخص ایسے گذرے ہیں کہ اون کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ میں حسین ابن علی کا نام درجہ بہادری میں ہے کیونکہ میدانِ کربلا میں گرم ریت پر تشنگی و گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اوس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں۔ کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام کا حال لکھے کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اون بہتر بزرگوں کی ثابت قدمی و تہور و شجاعت اور بیس ہزار سوار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہئے کر سکے۔ کس کی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ اون لوگوں کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اون پر گذرا اوس وقت سے جبکہ عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اون کو گھیر لیا اوس وقت تک کہ جب شمر ملعون

نے سر مبارک کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دو ادو مشہور ہے اور مبالغہ کے بھی یہی
حد ہے جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا
لیکن اُن بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا اوس پر بھی اون کا قدم
نہ ہٹا۔ چنانچہ چہار طرف سے تو قومِ یزید نے گھیر لیا تھا جن کے تیروں اور نیزوں
کی بوچھاڑ مثل آندھی کے آتی تھی اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جس کی
مثال زیر فلک کسی سے نہیں ملتی اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی
تمازت میں شعلہ زن اور تنور کی خاکستر سے زیادہ پُر سوز تھا بلکہ اوس کو دریائے قہار
کہنا چاہئے جس کے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے اور دو دشمن سب سے
زیادہ بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہی کے جس کے برابر عدو نہیں ساتھ تھے اور
تشنگی سے جب زبان پھٹ جاتی تھی تب ہی اون دو کی خواہش اندکے تھمتی تھی پس
جنھوں نے ایسے معرکہ میں ہزارہا کافروں کا مقابلہ کیا اون پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا
سوائے ازیں مسٹر واشنگٹن ارونگ اپنی تاریخ میں واقعاتِ کربلا کو بہت تشریح
سے لکھتے ہیں اس جگہ صرف مختصر مضمون پر اکتفا کیا جاتا ہے حضرت حسن کے انتقال
کے بعد اس مقدس عہدے پر اون کے چھوٹے بھائی حضرت حسین پیغمبر اسلام کی
پیشین گوئی کے موافق امام تسلیم کئے گئے حالانکہ ظاہری سلطنت اس زمانہ میں جا
چکی تھی۔ مگر اپنی ذاتی لیاقت اور پیغمبر اسلام کے حقیقی نواسے ہونے کے باعث سے
مسلمین کی نظر میں بہت کچھ عزت باقی تھی اِس اثنا میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا
اور یزید اموی کو تقدیر نے یا کسی کی کوشش نے سنہ ۶۰ھ میں اپنے باپ یعنی امیر مذکور کا
قائمقام کر دیا۔ اس وقت سلطنت کے دعوے کا خیال حضرت حسین کی طرف سب سے
زیادہ تھا۔ اس لئے اس بات پر پورا زور دیا گیا کہ حضرت ممدوح بھی یزید اموی کو باقاعدہ
پیغمبر اسلام کا جانشین تسلیم کر لیں اودھر یزید اپنی شرابخواری وغیرہ علانیہ ناجائز افعال
کے سبب سے عراق و حجاز کے مسلمانوں کی سوسائٹی میں کچھ وقعت کے ساتھ نہ
دیکھا جاتا تھا خدا جانے سچے دل سے یا کسی مصلحت سے کوفہ و بصرہ وغیرہ مقامات کے

مسلمانوں نے یہ قصد کر لیا تھا کہ جس طرح ممکن ہو سکے یزید اموی کو معزول کرنا چاہیئے۔ حضرت حسین اس وقت مدینے میں تھے جہاں اس واقعہ سے دس گیارہ برس پیشتر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کوفے سے چلے گئے تھے سمجھے کہ اگر ہیں نے خلیفۂ مذکور سے باقاعدہ بیعت کر لی یقیناً سارا عرب میرے ساتھ بیعت کریگا اور تمام ناجائز افعال سنت ہو کر رواج پائیں گے۔ نہایت ایمانداری اور بڑی جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابل میں صاف انکار کر دیا کوفے اور بصرے کے مسلمان جو دیکھ رہے تھے کہ حضرتِ ممدوح بیعت کرتے ہیں یا نہیں اس انکار کا حال سُن کر (اب میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعی یا کسی فریب سے جو یزید اموی کے کسی خیر خواہ نے پیشتر سے تجویز کر رکھا تھا) مدد پر آمادہ ہوئے اور بے مبالغہ سینکڑوں خط بھیج کر حضرت ممدوح کو طلب کیا کہ اون کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اِس وقت حضرتِ حسین کو دو بہت بڑی دقتوں کا سامنا تھا۔ کچھ بن نہ پڑتا تھا کہ بلانے سے جائیں یا نہ جائیں ایک یہ کہ دنیا کے ہر معاملے کو دنیا کے قواعد کے موافق کرنا چاہتے تھے اپنی باطنی قوتوں اور روشن ضمیری سے کام لینا مقصود نہ تھا۔ دیکھ رہے تھے کہ ایک بادشاہ اپنی بدشمال سے دنیا کو اس حد سے ہٹا رہا ہے جو پیغمبر اسلام نے بڑی محنت سے مقرر کی تھی۔ کیونکر اوس کو اوس کے حال پر چھوڑتے اور کس طرح وہ خیر خواہی کی قوت اون کو اِس وقت صبر کے ساتھ بیٹھا رہنے دیتی۔ جو بندوں کی اصلاح کے لئے پیشوایانِ دین کی طبیعت میں خدا پیدا کر دیتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ہزاروں مسلمان مدد کے لئے بھی مستعد ہوں دوسری مصیبت یہ تھی کہ حضرتِ مرتضےٰ کے زمانہ سے اس وقت تک کا تجربہ آگاہ کر رہا تھا کہ یہ لوگ ہرگز قابلِ اعتبار نہیں پے در پے بیوفائی اور وعدہ خلافی کر چکے اب پھر کرینگے جانکر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان کا ضائع کرنا بھی جائز نہ تھا اب کیا کرتے۔ اس بے انتہا تردد کی حالت میں جس نے اون کی رائے کو یکسو کیا وہ خود اونہیں کا یہ مقدس خیال تھا کہ جان دو اور یزید اموی کے ہاتھ سے بندگانِ خدا کا ایمان بچاؤ حب الہام یا خود اون کی حق پسند طبیعت نے یہ فیصلہ کر دیا اب زمانے کی کوئی قوت اور دُنیا کی

کوئی مصیبت اون کو اس ارادے سے پھیر دینے میں کامیاب نہ ہوئی آخر شدتِ گرما میں مدینے سے عراق کی طرف سفر اختیار کیا وہ لوگ جنہوں نے متواتر خطوں کے ذریعہ سے حضرتِ امام حسین کو یزید اموی کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا مدد سے بالکل انکار کر گئے۔ یہاں تک کہ ہزاروں آدمیوں کے مقابل میں فقط بہتر آدمی رہ گئے جن کی تعداد پورا کرنے کو ایک چھ مہینہ کا بچہ بھی تھا یہی لوگ درحقیقت ایک سچے مذہب کے نمونہ تھے جنہوں نے قصد کر لیا تھا کہ جان دینگے مگر یہ ثابت کر کے رہیں گے کہ اگر یزید اموی کا طریقہ سچا ہوتا حضرتِ امام حسین ضرور بیعت کر لیتے اور ہرگز اپنی جان نہ دیتے۔ فی الواقع اس وقت اس تدبیر سے بہتر اور کوئی تدبیر نہ تھی کیونکہ سلطنت موجود نہ تھی کہ خوف اور لالچ سے لوگ اوس طرف نہ جاتے تقریر کا اثر کہاں تک خیالات کی اصلاح کرتا۔ اب جان دیکر اپنا مطلب نکال لینا اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا محرم کی دسویں ۶۱ھ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء اس لاجواب لڑائی کی تاریخ ہے۔ کئی ہزار فوج کے ساتھ لڑنے میں بہتر آدمیوں کا زندہ رہنا محال تھا زندگی کے تلف ہونے کا یقین کامل تھا مگر ساری رات خدا کی عبادت میں بسر کی گئی۔ جیسے ان افعال سے ثابت ہو رہا تھا کہ مرنے کا یقین اور یقین کے ساتھ خوشی ہے۔ اس لڑائی کو حصولِ سلطنت پر محمول کرنا ایک بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حضرت امام حسین یزید اموی سے اوس کی تمنا کے موافق بیعت کر کے اپنی جان و دل بچا لیتے۔ مگر اوس ذمہ واری کے خیال نے جو مذہبی ریفارمر کی طبیعت میں ہوتا ہے ان اوپر جذبات کا اثر نہ ہونے دیا۔ اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف پر ایک بے مثل صبر و استقلال کے ساتھ قائم رکھا اولاد کا سامنے قتل ہونا چھوٹے چھوٹے بچوں کا مارا جانا زخموں کی تکلیف۔ عرب کی دھوپ۔ پھر اوس دھوپ میں زخمی کی پیاس یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو سلطنت کے شوق کے سامنے کسی آدمی کو صبر کے ساتھ اپنے ارادے پر قایم رہنے دیتیں۔ مسٹر بنجامن مورخ نے بھی اپنی مشہور کتاب دی ہسٹری کے صفحہ (۲۸۲) پر اس واقعہ کو بہت بسط کے ساتھ لکھا ہے ڈاکٹر جوزف مورخ فرانس بھی بہت تفصیلی طور پر واقعاتِ کربلا لکھکر بطور پیشین گوئی

رائے زن ہؤا ہے کہ یہ شہادتِ اسلام صحیح کی ترقی کا ایک تیز آلہ ہے۔ جوکہ دمبدم اپنے کام کو دکھلا رہا ہے۔ مجالس محرم جو برپا ہوتی ہیں اِن میں قدرتی تاثیر نمایاں ہے واقعاتِ کربلا کے سننے سے لوگوں کی طبایع کا سیلان اوس طرف ہوتا ہے اور خود بخود اوس واقعہ کی سچائی پر قوت ذہنی مدد دینے کو موجود ہو جاتی ہے۔ میری رائے میں ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ یہ واقعۂ ماتم تمام دنیا کی طبیعت پر اپنا قبضہ کر کے سب کو رعایا بنا لیگا۔ دربیو لا ایک مضمون اخبار اثنا عشری دہلی کے پرچہ میں ۲۳ فروری سنہ ۱۹۱۰ء کو (مہو ماربین جرمنی) کا چھپا ہے۔ ممدوح الوصف ملکِ یورپ میں اعلیٰ درجہ کے مورخ مانے گئے ہیں اونہوں نے واقعاتِ شہادت کو نہایت توضیح سے بطور ایک مختصر رسالہ کے لکھا ہے۔ تمام عبارت کا لکھنا طوالت سمجھ کر اس جگہ نہایت اختصار سے لکھتا ہوں۔ تمام مضمون جس کو دیکھنا ہو وہ پرچہ مذکور میں حسب نشان بالا دیکھ لیوے۔ خاندانِ بنی امیہ بنی ہاشم کا قطعی دشمن تھا اون لوگوں کی یہ عین تمنا تھی کہ آلِ ہاشم سے کوئی متنفس صفحۂ عالم پر نہ رہے۔ جب محمدؐ نے مکہ پر غلبہ حاصل کر لیا تو سرکشانِ بنی امیہ پر بھی اون کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ گو کہ وہ دیگر مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر آتشِ حسد دلوں میں شعلہ زن رہتی تھی وہ ہمیشہ اسی تاک میں لگے رہتے تھے کہ بنی ہاشم کا زور گھٹے تا اینکہ محمد وفات پا گئے۔ اور اون کی کوشش سے جانشینی ولیعہدی کے اصول پر نہ رہے بلکہ انتخاب پر اوس کا استقرار تجویز ہوا۔ اس ترکیب میں بنی امیہ کامیاب ہوئے اور بنی ہاشم مغلوب رفتہ رفتہ محمد صاحب کا تیسرا خلیفہ آلِ امیہ سے قرار پا گیا امورِ اسلامی میں عام طور پر اون کا اقتدار بڑھتا گیا یہ لوگ صرف ظاہری طور کے مسلمان تھے ورنہ حقیقتِ اسلام اون کی طبایع میں جاگزین نہ ہوئی تھی جب پورا زور پکڑ گئے اور اپنے جاہ و جلال کی نیو کو مستحکم دیکھ لیا تب اوس دین کا مذاق اوڑانے لگے جس نے بنی ہاشم کے گھر سے رواج پایا تھا اسی بنیاد پر یزید نے اوس امر عظیم کے پورا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا جس کے ذکر کرنے سے قلم صفحہ کاغذ پر سر ٹپکتا ہے۔ جو شخص اوس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کا طرزِ معاشرت جانتے ہوئے ہے وہ بے تامل اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ حسین نے اپنی جان دیکر نانا کے دین کو زندہ کر دیا اگر یہ حادثہ پیش

نہ آتا تو اسلام کبھی اس پیمانہ پر قائم نہ رہتا جو کہ محمد صاحب نے تجویز کیا تھا۔ حسین نے وہ کار نمایاں کیا جس کی نمایت سمجھنے کے لئے خدا نے اونہیں کو دماغ عنایت فرمایا تھا اپنی جان پر کھیل کر بازی لے گئے دین کو بچایا اور بنی امیہ کی نسل کو دنیا سے مٹایا۔ حسین کی شہادت نے عام طبایع پر یہ اثر ڈالا کہ قومِ بنی اُمیّہ نفرت بھری نگاہوں سے دیکھی جانے لگی خونِ ناحق نے ایسا جوش کیا کہ ہر چہار طرف انتقامی جھنڈے بلند ہو گئے جس سے اون کا خاتمہ ہو گیا۔ جو لوگ غلط فہمی سے واقعۂ کربلا کو ملکی جھگڑا کہتے ہیں وہ بالکل خلاف راہ اختیار کئے ہوئے ہیں واقعۂ کربلا کا سلطنت کے نزاع سے متعلق نہ ہونا ایسا صاف معاملہ ہے کہ جس میں کوئی عقل سلیم ٹھوکر نہیں کھا سکتی۔ مدینہ سے جب حسین روانہ ہوئے برابر کہتے جاتے تھے کہ میں ضرور قتل کیا جاؤں گا اگر کسی کو طمع دولت ہو وہ میرے ساتھ نہ جائے اگر وہ بقصد ملک گیری آمادہ سفرِ عراق ہوئے تھے تو ہرگز لوگوں کو خبرِ قتل دیکر پریشان نہ کرتے بلکہ افزائش لشکر میں کوشش کرتے۔ کیونکہ جب کوئی بادشاہ بہ طمع ملک و دولت قصد جنگ کرتا ہے اوس کی غالب توجہ سپاہ کی ترقی اور بھیڑ بھاڑ کی فراہمی میں ہوتی ہے اگر بغور نفس الامر پر نظر کی جائے تو امام نے تھوڑی سپاہ سے فتح عظیم حاصل کی اپنے جدّ کے مذہب کو ہمیشہ کے لئے قایم کیا اور مخالفوں کا نام دوام کے لئے مثلِ حرفِ غلط چھیل ڈالا۔ اکثر لوگوں نے آپ کو سفر کرنے سے منع کیا۔ لیکن آپ سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ میں تو قتل ہونے کیلئے جاتا ہوں اوس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ پھر عورتوں کو نہ لیجائیے جواب ملتا تھا کہ خدا کی مشیت یہ ہی ہے کہ میں قتل ہوں اور یہ اسیر ہوں۔ یہ واقعہ دکھلا رہا ہے کہ حسین نے تمام مصائب سلطنت کیلئے گوارا نہ کئے تھے اور نہ بیدالنشی سے اپنے نفس کو مہلکہ میں ڈالا تھا۔ بلکہ ایک مطلب بزرگ کی تخم ریزی مرکوز طبیعت تھی جو کہ بلا قبولِ شہادت ناممکن تھی آپ اپنے خاص لوگوں کو مطلع کر چکے تھے کہ میری شہادت اور گھر بار لٹ جانے کے بعد خدا ایسی جماعت پیدا کریگا جو کہ حق کو باطل سے جدا کرے گی وہ لوگ میری زیارت کو آئیں گے اور میرے مصائب پر آنسو بہائینگے وہ لوگ میرے جدّ بزرگوار کے دامنِ امن میں ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہنوز حسین کے حرم دربار میں نہ پہنچے تھے کہ فوارۂ خونخواہی ہاتھوں اوچھلنے

لگا اپنی بے انتہا مظلومیت اور بنی امیہ کی حد درجہ پر شقاوت ثابت کرنے کیلئے حسین نے
میدانِ قتال میں وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفر کی عقول کو متحیر کر دیا وہ اپنے نادان بچہ کو ہاتھوں
پر اوٹھا کر لاتا تھا لشکر یزید نے جیسا پانی اوس کو پلایا تمام عالم سمجھ گیا کہ بنی امیہ سے زیادہ
قسی القلب کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اگر اس واقعہ پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو سکتا
ہے کہ قبل از واقعۂ کربلا اکثر روسا روحانی بہزار شدائد مارے گئے ہیں مگر کوئی زمین مظلوم
داوئی نینوا کے سامنے کچھ وقار نہیں رکھتا بنی اسرائیل میں چند واقعات پیش آئے جنابِ یحییٰ
کا واقعہ عظیم الشان سمجھا گیا ہے۔ مسیح سے جو یہود نے بدعنوانی کے قابل بیان نہیں۔ ان
مظلوم و مقتول لوگوں نے ارادتاً اپنے آپ کو قتل نہیں کرایا۔ بلکہ دشمنوں نے غفلت دیکھ اُن پر
حملہ کیا ہے حسین نے نہایت مضبوط ارادہ سے اپنی جان ہی نہیں دی بلکہ جان سے عزیز تر
چیزوں کو نذر خدا کیا اسی واسطے اون کے غم میں قدرت نے وہ اثر پیدا کیا کہ تمام مظلوموں سے
بڑھ گئے کوئی واقعہ کوئی حادثہ جو کہ بیدردی سے پیش آیا تھا خلایق کی طبیعت میں ایسا موثر
نہیں ہوا۔ جس شہر جس محلہ میں دیکھو حسین حسین کی آواز آرہی ہے اسلام کی ترقی اوس
کی حقانیت و وقعت کا قوی سبب یہ ہے ایک شہادت ہے اب سے سو برس پہلے حسین
کے پیرو ہندوستان میں بہ این قلت تھے کہ او نگلیوں پر اون کی شمار ہو سکتی تھی اس وقت
مردم شماری پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار عدد اس کثرت پر پہنچ گئے کہ تیسری
قوم شمار ہونے لگے۔ ہمارے مذہبی علما یعنی پادری شبانہ روز سرگرم وعظ رہتے ہیں مگر
اوس ترقی کا جو کہ دوستداران حسین نے حاصل کی دسواں حصہ بھی اون کو نہ ملا اس روز
افزوں بڑھاؤ کا سبب وہ ہی مجالس ہیں جو کہ اوس مظلوم کے غم میں برپا کی جاتی ہیں طرفداران
حسین کی یہ ایسی اثر خیز مشنری ہے جو کہ ہمیشہ اون کو کثرت کے بلند زینہ پر پہنچاتی رہیگی
حقیر نے مورخ موصوف کے بیان کو جو کہ نہایت ہی طویل ہے حسب ضرورت رسالہ بہت سے
اختصار سے لکھا ہے اہل دانش سمجھ لیں گے کہ واقعاتِ سید الشہدا پر غیر اقوام نے کیا رائے
زنی کی ہے اور اوس حادثہ جانگزا کو کس عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے علاوہ بریں مسٹر گبن
وغیرہ مورخین نے بھی بہ تفصیل واقعۂ کربلا کو تحریر فرمایا ہے بخیالِ طوالت میں نے اُن کے

اقوال نقل نہیں کئے

امر ششم عام طبایع پر شہادت نے کیا اثر ڈالا

بغور ملاحظہ فرمایا جائے کہ اکثر حضرات مورد بلا ہوئے ہیں. مگر کسی کی مصیبت نے قلوب خلایق پر یہ اثر نہیں ڈالا۔ اسلام ہی میں دیکھئے حضرت عمر کس بیدردی سے ہلاک کئے گئے۔ جناب عثمان کو جس بیکسی و سفاکی سے مصریوں نے قتل کیا ظاہر ہے دونوں بزرگوں کے قاتلوں کا پتہ ہی نہ چلا۔ حضرت عایشہ نے ہر چند کوشش کی کہ اون لوگوں سے قصاص لیں۔ مگر کوئی مارنے والا شخص ہی نہ ہوا۔ ان عظیم القدر خلفاء کے قتل نے ذرہ برابر بھی خلایق کے دلوں میں غم انگیز اثر پیدا نہ کیا۔ جناب ام المومنین حضرت عائشہ نے جس دردناک حالت سے دنیا کو چھوڑا وہ تاریخ دالوں پر آشکار ہے۔ لیکن میں نے آجتک کسی مسلمان کو نہیں دیکھا کہ ہر دو خلفاء یا بی بی صاحبہ کے ماتم میں گریبان پارہ کیا ہو یا دو آنسو بھی ٹپکائے ہوں یا کبھی کوئی مجلس عزا برپا کی ہو۔ بخلاف اس کے سید الشہدا کے حالات پر نظر کیجئے تیرہ سو برس اس واقعہ کو ہوئے لیکن ہر روز تازہ ہے سوائے محرم کے جس میں خاص اہتمام ہوتا ہے کوئی دن ایسا نہیں جس میں صفحۂ عالم پر ہزارہا مجالس عزا نہ ہوتے ہوں۔ حضرت کے مصائب سنکر خلایق کے قلب ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ بے تکلف آنکھوں سے اشکوں کی ندیاں بہادیتے ہیں اس میں اسلام وغیر اسلام کی بھی شرط نہیں۔ سمجھدار حضرات ہنود و نصاری بھی حصہ لیتے ہیں۔ ہر رنج والم جو کہ کسی کی ذات سے علاقہ رکھتا ہو بعد کسی قدر مدت کے جس کی مقدار قلیل ہے طبیعت سے محو ہو جاتا ہے۔ مگر یہ غم جس قدر پرانا ہوتا جاتا ہے اوسی قدر مثل ناسور کہنہ زیادہ ریزش کرتا ہے۔ جن لوگوں کے قلب محبت امام میں مسخر ہیں اور آپ کی ولاء خالص عنایت خدا سے اون میں جاگزین ہو چکی ہے وہ جس قدر روتے ہیں سیری نہیں ہوتی شوق گریہ دمبدم ترقی پاتا چلا جاتا ہے تا اینکہ بعض آدمی روتے روتے مرگئے ہیں شاہ حسن پھلواری حنفی ضلع پٹنہ نے جو کہ شاہ سلیمان صاحب کے فرزند رشید ہیں۔

ایک رسالہ بہ ثبوتِ شہادت بردِ ہفوات مرزا حیرت مسمی بہ غم حسین تحریر فرمایا ہے
اوس کے صفحہ ۷۶ سطر ۱۴ پر لکھا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر سے منقول ہے کہ
بغداد میں ایک بزرگ تھے اون کے سامنے امام والامقام کی شہادت کا ذکر ہوا وہ
اس قدر روئے اور سر کو زمین سے دے دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے
اُسی رات لوگوں نے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا اُنہوں نے فرمایا۔ میں نے اہل بیت اطہار
کی محبت میں اپنی جان دی خدا نے مجکو بخشدیا اور میں امام حسین کے ساتھ رہتا ہوں۔ سوائے
ازیں مصنف ممدوح اور چند مشائخ صوفیا بابا فرید گنج شکر اور حضرت سلطان سید اشرف
جہانگیر سیستانی چشتی اور مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور حضرت شیخ الاسلام
مخدوم علاء الحق پنڈوی و محمد بندہ نواز گیسو دراز و عبدالرزاق بانسوی کی نسبت تحریر فرماتے
ہیں کہ یہ بزرگوار محرم کا چاند دیکھ کر مصروف گریہ و بکا ہوتے تھے اور سوائے مضامین غم
اور کچھ بیان نہ ہوتا تھا۔ ایہا الناظرین واقعی یہ عجب درد ہے۔ دہم محرم کو یہ معلوم ہوتا ہے
کہ گویا در و دیوار سے صدائے نالہ و آہ آرہے ہے۔ غیر مذہب والے عقلمند بھی اس حادثہ پر
نظر کر کے بے اختیار رو پڑتے ہیں۔ ہر مذہب کے آدمی کچھ نہ کچھ سید الشہداء کی نذر و نیاز
ضرور کرتے ہیں۔ پیاسوں کے لئے سقوں سے پانی کی مشکیں چھڑاوتے ہیں محتاجین کو
کھانا کھلواتے ہیں۔ تمام مذاہب دُنیا میں اپنے اپنے عقاید کے موافق جو لوگ خیرات کرتے ہیں
اگر اُس تمام نقدی کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور صرف محرم کے اخراجات کو دوسرے
پلڑے میں تو بالیقین یہ ہی گراں نظر آئیگا اور لختِ جگر جو پانی بنکر چشم خلائق سے نکلتے ہیں وُہ مزید
براں سمجھے جائینگے بحمد اللہ جو چھ امر تحقیقات طلب متعلق بہ شہادت اخذ کئے گئے تھے۔ وُہ
اس خوبی سے بتوضیح تمام تر ثابت کئے گئے کہ اہل انصاف کا قلب آفرین کہنے پر مجبور ہو جائیگا
مُسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے شہید ملت کی یادگار کو مدام قائم و برقرار رکھیں اور جو لوگ
اُس کی مخالفت کریں اُن کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر نامسلمان محض سمجھیں۔
شاہ حسن صاحب پھلواری کے بیان کو جو کہ بتوضیح تمام تر اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ شاید بعض
متشرع حضرات اُن کے صُوفی ہونے کی قابلِ قدر نہ سمجھیں۔ لہذا جناب شاہ عبدالعزیز

صاحب دہلوی کا بیان پیش کرتا ہوں کہ وہ محرم میں کیا عنوان اختیار کرتے تھے شاید حضرات اہل سنت انکے ارشاد سے کوئی فائدہ اٹھائیں اور مجالس کی بیخکنی کے درپے نہ ہوں شاہ صاحب سے انکے کسی عقیدتمند نے دربارہ مجالس دریافت کیا تھا اسکے جواب میں جو انہوں نے ارشاد فرمایا وہ فتاویٰ عزیزیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی کے صفحہ ۱۰۴ سے بجنسہ نقل کیا جاتا ہے ٭

خانصاحب عالی مراتب مجمع خوبیہا والطاف قدردان علما سلامت ۔ از فقیر عبد العزیز بعد سلام مسنون مشہود ضمیر ذکا تخمیر باد کہ عنایت نامہ سامی بار دیگر در تقدمہ استفسار مرثیہ خوانی وغیرہ معمول نمودہ ۔ مہربان من فقیر را طاقت استماع عبارات طویلہ نیست چہ جائے جواب مفصل و آنچہ مرقوم بود کہ مولوی رشید الدین خان یا مولوی محمد اسحٰق را باید گفت ایشان بہ تحریر جواب پردازند ایں ہر دو صاحبان بسیار قلیل الفرصت آمدہ و بسبب درس و دیگر امور اصلا یکدم فرصت ندارند ہذا بتدریج ایں ہر دو صاحبان را خواہد گفت لیکن آنچہ بالفعل معمول ایں فقیر است مے نویسد ہمیں جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد میشوند مجلس ذکر وفات شریف مجلس شہادت حسینؓ اول کہ مردم روز عاشورہ یا یک دو روز پیش ازیں قریب چہار صد کس بلکہ ہزار فراہم مے آیند و درود میخوانند بعد ازاں فقیر مے آید مے نشیند ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید وآنچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگاں وتفصیل بعضے حالات و بدمآلی قاتلان ایشان وارد شدہ در بیان مے آید بہ ایں تقریب بعضے شدائید کہ در جناب ایشان گذشتہ از روئے احادیث معتبرہ بیان کردہ میشود دریں ضمن بعضے مرثیہ ہا کہ از مردم غیر یعنی جن و پری و حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدہ اند مذکور میشود و خوابہائے متوحش کہ حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ دیدہ اند و دلالت بر فرط حزن و اندوہ روح مبارک جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میکنند مذکور میشود و بعد ازاں ختم قرآن مجید و پنج آیت خواندہ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید و دریں بین اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیہ شرع ایں اتفاق میشود و ظاہر است کہ دریں بین اکثر حضار مجلس را و ایں فقیر را ہم رقت و بکا لاحق میشود ایں است آنچہ بعمل مے آید پس اگر ایں چند ہا نزد فقیر بہمیں وضع کہ مذکور شد جائز نمے بود اقدام بر آں اصلا نمے کرد و بعد ازیں آنچہ امور دیگر نامشروع است حاجت بیان ندارد و بجز توفیق حسنات چہ بر گنہاں رود والسلام

جو حضرات کہ مجلس عزا کو بدعت بتلاتے ہیں اور گریہ کو ایک فضول و بے معنی کہتے ہیں انکو خیال فرمانا چاہیئے کہ یہ وہ ماتم ہے جسکے لئے شاہ صاحب ایسے شخص نے جنکو اہل سنت متبع شریعت کہتے ہیں اپنے گھر میں فرش عزا بچھایا لوگونکو بھی جمع کیا تبرک بھی تقسیم ہوا خوش الحان لوگوں نے سلام و مرثیہ بھی پڑھے گریہ و بکا بھی کیا گیا دیکھو وہ فقرہ (صد)